دیوانِ ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان

دیوان

مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان

مُرتب

تنویر احمد

علی ہجویری پبلشرز کمرہ نمبر 1۔ منیر مارکیٹ
اُردو بازار ○ لاہور

ناشر	------------	تنویر احمد
تعداد	------------	500
پرنٹرز	------------	گنج شکر پرنٹرز
قیمت	------------	160 روپے

میرا گناہ

مِرا گناہ یہی ہے کہ مجھ کو ہے اصرار
شہید گنج کی مسجد کی بازیابی پر

کسی سے جرم یہ سرزد اگر ہو مستی میں
تو حدِ شرع نہ جاری ہو کیوں شرابی پر

مِری نظر میں ہیں مسجد کے منبر و محراب
جمی ہوئی نظر احرار کی ہے "لابی"[1] پر

ہے اس زمانہ میں اچھا اگر کوئی مذہب
تو ہو وہی جسے قرباں کریں رکابی پر

علیؓ کے بازوئے خیبر شکن کی مجھ کو قسم
کہ ناز مجھ کو بھی ہے اپنی بوترابی پر

قریب ہے کہ قیامت بپا ہو دنیا میں
خدائے پاک کی تعمیر کی خرابی پر

ہے لکھنؤ کو بھی آج اتفاق دہلی سے
مرے کلامِ مرصّع کی لاجوابی پر

۲۱ جون ۱۹۳۶ء

---

[1] مجلس وضع آئین و توضیح کی غلام گردش

شرک و اسلام

ہم مسلماں ہیں ازل سے شرک ہی جن کا حریف
"قادیاں کا اس میں ہیکل ہو کہ ہو لندن کا دیر

بولہب کی شان ہو یا ہو غلام احمد کی آن
ملتِ بیضا کے ساتھ ان کا ہی پہلے دن سے بیر

ہم نے اُن کے ساتھ نیکی کی اُنھوں نے کی بدی
اور کر سکتے تھے کیا اسلام سے برتاؤ غیر

تیرِ مونجی کا کبھی دل میں ترازو ہو گیا
اور کبھی سنگین چرچل کی گئی پہلو میں پیر

مشرق و مغرب کے احساں ہیں ہمارے سینہ پر
اُس کے بھالوں کے کچوکے اِس کی بندوقوں کے فیر

خواجۂ دہلی کو جا کر کوئی دے میرا پیام
"در مقاماتِ طریقت ہر کجا کردیم سیر
عافیت را با نظربازی فراق افتادہ بود"

۲۳۔جون ۱۹۳۶ء

پیمانِ الست کی تجدید

رحمتیں کونین کی نازل ہوں نیلی پوش پر
تازہ جس نے کر دیا افسانۂ عہدِ الست

بزم میں خمخانۂ بطحا کا رسیا آ گیا
نشہ ٹپکاتی گئی آنکھوں میں جس کی چشمِ مست

غیب سے آزادیٔ کامل کے ساماں ہو گئے
کر رہا ہے ربِّ اکبر آپ اس کا بندوبست

لرزہ طاری ہو رہا ہے کفر کے اندام پر
دیکھ کر مومن کی صورت دم بخود ہیں بت پرست

وقت آ پہنچا کہ جو تھے ناتواں ہوں سربلند
اور توانا جس قدر ہیں سب کے سب ہوں زیر دست

وقت آ پہنچا کہ گھر آباد ہو اللہ کا
اور جنہوں نے اس کو ڈھایا ہوں ذلیل و خوار و پست

خوفِ غیر اللہ سے خالی ہو جب انساں کا دل
ہرگز اس کو کوئی طاقت دے نہیں سکتی شکست

۲۶ جون ۱۹۳۶ء

اسلام کی رُسوائی احرار کے ہاتھوں

ہندوؤں سے ہے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے
گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے

حرفِ پنجاب میں ناموسِ نبیؐ پر آیا
قائم اس ظلم کی بنیاد ان اشرار سے ہے

پانچ لگوں کا ہے پابند شریعت کا امیر
اُس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھنکار سے ہے

آج قرآن کو کہتے ہیں وہ "نطفہ" اپنا
سلسلہ جن کا ملا سیّدِ ابرار سے ہے

آج قرآن کی توہین وُہی کرتے ہیں
واقفیت جنہیں قرآں کے سب اسرار سے ہے

آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل
تو یہ سب ذِلت اسی طبقۂ غدار سے ہے

کیا قیامت ہے کہ اللہ کا گھر ہو ویراں
جس کی رونق کی نمود احمدِ مختار سے ہے

ہے یہ سب مسجدِ مظلوم کی فریاد کا فیض
جس قدر درد ٹپکتا مرے اشعار سے ہے

۷ جولائی ۱۹۳۶ء

سرفضلِ حسین مرحوم

آتا ہی یگانے کو نہ بیگانے کو چین آج
فردوس کے عازم ہوئے سر فضلِ حسین آج

لُٹتا ہے سُہاگ آج سیاست کا وطن میں
برپا نہ ہو کیوں ہند میں یہ شور یہ شین آج

پنجاب کو دے دی گئی موت اُس کا یہ پیغام
سب تفرقے مٹ جائیں کہ یہ فرض ہے عین آج

دُنیا کی نگہ سے نہ ہوا جو کبھی اوجھل
اسلام کی محفل میں ہے وہ زیب نہ زین آج

لاہور کی پہنائیوں سے تابہ فلسطین
ہیں کان تو سُن لے کوئی ہواؤں کے بین آج

محفوظ ہے خطرہ سے نہ مکّہ نہ مدینہ
بے تاب ہے ہر ذرّۂ خاکِ حرمین آج

اللہ سے پھر رشتہ اگر جوڑ لیں اپنا
ملتی ہے ہمیں زندگی بدر و حنین آج

۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء

فٹ بال

اسلامی ٹیم کی فتح اور انگریزی ٹیم کی شکست

جن کے بازو تھے قوی آج وہ مغلوب ہوئے
ناتوانوں نے توانائوں کو دی آج شکست

مرتبہ ہو گیا اسلام کا دُنیا میں بلند
حوصلے ہو گئے انگریز کے بنگال میں پست

ہنس رہے ہیں وہ خداوند ہی جن کا معبود
رو رہے ہیں وہ جنہیں کہتے ہیں انگریز پرست

نشہ ہو جانے کو ہی سارے حریفوں کا ہرن
کہ نکل آئے ہیں میدان میں مستانِ الست

نشۂ فتح سے کلکتہ ہے سارا سرشار
ہے مسرت کا یہ عالم کہ ہیں ہشیار بھی مست

نہیں معلوم کہ پہنچیں گے مسلمان کہاں
گر لگاتے رہے چندے وہ اسی طرح کی جست

کیا عجب سلطنتِ ہند بھی بخشے ان کو
جس خدا میں ہی یہ قدرت کہ کرے نیست کو ہست

یہ دل افروز ترانہ ہُوا جس دن موزون
عیسوی سال کی تاریخ وہ تھی پانچ اگست

۵۔ اگست ۱۹۳۶ء

کلکتہ

مجلسِ اتحادِ ملت کو — لکھئے حبل المتین کلکتہ
سارے ہندوؤں کی دو بنا لت کو — کہئے ملکِ یمین کلکتہ
کفر ہگلی میں جاکے ڈوب گیا — دیں ہوا ہے مکینِ کلکتہ
اثرِ سجدہ ہائے پیہم سے — ہوئی روشن جبینِ کلکتہ

ہر طرف پھر رہے ہیں نیلی پوش
آسماں ہے زمینِ کلکتہ

کلکتہ — ۱۰ اگست ۱۹۳۶ء

لندن کے قانون
سے
مدینہ کے آئین کی آویزش

کام انگریز کو دُنیا سے مجھے دین سے ہے
اُس کے قانون کی ٹکر مرے آئین سے ہے

خونِ اسلام سے گلرنگ ہوا حوضۂ قدس
خبر اُڑتی ہوئی آئی یہ فلسطین سے ہے

سینۂ توحید کے بیٹے کا مشبّک ہے اگر
تو وہ تثلیث کے فرزند کی سنگین سے ہے

جس سے گلرنگ ہوا مسجدِ لاہور کا صحن
نسبت اُس خون کو میری ہی شرائین سے ہے

کب دبا سکتی ہے اُس نعرہ کو توپوں کی گرج
جو بلند آج مرا تش سے توکّل چین سے ہے

قادیاں مُردہ ہے اور زندۂ جاوید ہُوں مَیں
عشق قرآں سے مجھے اُس کو براہین سے ہے

خوف مونجی کو نہیں آج ہمارے لٹھ کا
اُس کو ڈر ہے تو پٹھانوں کی قرابین سے ہے

ہے طبیعی یہ وہ ڈر جس سے نہیں کوئی مفر
یہ وہ خطرہ ہے جو کنجشک کو شاہین سے ہے

کانگرس میں بھی ہیں کچھ مرد مگر حق ہے یہی
گرم ہنگامۂ ہند اس کی خواتین سے ہے

کیوں ہم آغوشِ اجابت نہ دُعا ہو میری
جا لگی عرش پہ جبریل کی آمین سے ہے

چمنستانِ معانی میں اگر ہے رونق
تو وہ میرے ہی دل افروز مضامین سے ہے

چودھویں رات کا چاند آپ ہے ساماں اپنا
مطلب اُس کو نہ پرن سے ہے نہ پروین سے ہے

کلکتہ - ۱۱ - اگست ۱۹۳۶ء

نظامِ اسلام

درخشاں مغرب و مشرق میں ہے سارا نظام اپنا
اُدھر مہرِ منیر اپنا اِدھر ماہِ تمام اپنا

شرابِ جانِ نوا زآئی ہے بطحا کے خمستاں سے
سبیہ مستو مبارک ہو کہ گردش میں ہے جام اپنا

رسول اللہ کی عزت پہ ہم مرمٹنے والے ہیں
زمیں سے عرش اعظم تک اُچھلنے کو ہے نام اپنا

ہمارا سر نہیں جھکتا ہے غیر اللہ کے آگے
جھکانا قیصر و کسریٰ کی گردن کو ہے کام اپنا

محمدؐ کی غلامی کا کمر سے باندھ کر پٹکا
بنالیں گے کبھی انگریز کو بھی ہم غلام اپنا

بڑا کون اور چھوٹا کون ہے دیکھیں گے خود ہندو
اگر اللہ کو ہم لائیں اور وہ لائیں رام اپنا

زباں اپنی ہے اردو جو زباں ہندوستاں کی ہے
اسی بولی میں ہم دیتے ہیں گاندھی کو پیام اپنا

کلکتہ - ۱۲ - اگست ۱۹۳۶ء

ساقی

برما کے دوسرے سفر کے سلسلہ میں جو اگست ۱۹۳۶ء میں شروع ہوا میں کلکتہ میں میاں تاج محمد صاحب تاجر میوہ کے ہاں مقیم تھا۔ ایک دن میزبان نے جنہیں ادب اردو سے خاص ذوق ہے مجھ سے فرمائش کی کہ اس مصرع پر چند کیف آور گرہیں لگا دوں ع تشنہ کامی مری توہین ہے تیری ساقی اُن کے امر کا امتثال اشعار ذیل میں کیا گیا۔

تیری محفل میں دو عالم کو ہے سیری ساقی
"تشنہ کامی مری توہین ہے تیری ساقی"

محتسب کا اُسے ڈر ہو جسے وہ دیکھ بھی لے
خُم کا منہ کھول کہ ہو رات اندھیری ساقی

مَے پلانی ہے تو لا خمکدۂ بطحا سے
ورنہ تسکین نہ ہوگی کبھی میری ساقی

ہند کی خاک سے اُٹھ کر میں قدم لوں اُس کے
آئے یثرب سے جو کرتا ہوا پھیری ساقی

مصلحت سوزیوں کی فوج کی یلغار ہے آج
جس نے بستی تری ہر سمت سے گھیری ساقی

کلکتہ ۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۳۶ء

مسجد شہید گنج کی پکار

شہید گنج کی مسجد پکارتی ہے تمہیں
دبے ہوؤ وہ خود اٹھ کر ابھارتی ہے تمہیں

جو بال سے بھی ہے باریک دشنہ سے بھی ہے تیز
وہ اس صراط کے پل سے گزارتی ہے تمہیں

وہ اس جہاز سے جو گھر گیا ہے طوفاں میں
کنارہ پر بسلامت اتارتی ہے تمہیں

وہ آپ اجڑتی ہے لیکن تمہیں بساتی ہے
وہ خود بگڑتی ہے لیکن سنوارتی ہے تمہیں

لگا کے غازۂ حسنِ حیاتِ لم یزلی
نکھر چکی ہے وہ خود اب نکھارتی ہے تمہیں

جو چاہتے ہو کہ آباد ہو تو اس کو بچاؤ
شہید گنج کی مسجد پکارتی ہے تمہیں

کلکتہ - ۱۴ - اگست ۱۹۳۶ء

اپنی اپنی قسمت

قادیاں پہلے تو پاپا کا بڑا بھائی بنا
پھر وہ انگریزوں کے گھر کا معتبر نائی بنا

مذہبی صرافہ میں نرخ اُس کا گرتا ہی گیا
پلیہ سے دھیلا ہُوا اور دھیلے سے پائی بنا

دیکھ لو جا کر بہشتی مقبرے والوں کا حال
کوئی بُھتنا ہو گیا کوئی چھلپائی بنا

شرک کے پچکے ہوئے گالوں کا پوڈر ہو گیا
کُفر کی اکڑی ہوئی گردن کی نکٹائی بنا

اک نیا کذّاب پیدا جب ہُوا پنجاب میں
قادیاں اس طفلِ ناہموار کی دائی بنا

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے نصیب
ہو گیا کوئی مسلماں کوئی مرزائی بنا

رنگون - ۲۸ - اگست ۱۹۳۶ء

فیصلۂ کلکِ قضا

پہنچتا ہی جہاں مسلم بنا تا ہے وہیں مسجد
ہی اس اللہ والے کے لئے ساری زمیں مسجد

بوقتِ فجر اگر ہی بامِ اطلس سجدگاہ اس کی
تو بنتا ہے عشا کو سایۂ دیوارِ چیں مسجد

عبادتگاہِ مومن کی زمیں سے آسماں تک ہے
کبھی فرشِ زمیں مسجد کبھی عرشِ بریں مسجد

بتاتی ابیض و اصفر کو ہے آداب دُنیا کے
سکھاتی اسود و احمر کو ہے ارکانِ دیں مسجد

اُچھالا جذبۂ توحید نے عالم میں نام اپنا
اُبھارا جس نے اس جذبہ کو ہی وہ بالیقیں مسجد

ہم اس کے ذرہ ذرہ پر نچھاور جان کر دیں گے
کہ ہے وابستۂ ناموسِ ختم المرسلیںؐ مسجد

پرائے مال کو ہتھیا رہا ہی دستِ شوخ اُن کا
اُنہیں کہہ دو کہ ہی اللہ کی ملک ہمیں مسجد

لگالے زورِ کُفر اپنا، بُت اس پر چھپ نہیں سکتے
کہ ہے پیراہنِ دینِ مبیں کی آستیں مسجد

محافظ ربِّ کعبہ آپ ہوگا اپنی پونجی کا　　کہ ہے سرمایۂ تہذیبِ بطحا کی امیں مسجد
خدا کو چھوڑ کر رکھا ہے اس کو بت کی چوکھٹ پر　　نہ ہو کیوں مالوی جی کی جبیں پر نکتہ چیں مسجد
کوئی کنٹربری کے پادری سے برملا کہہ دے　　ہے تثلیث آفریں گرجا ہے توحید آفریں مسجد
حیاتِ جاوداں بخشی ہے پیغمبر نے اُمت کو　　سُناتی ہے یہی پیغام رب العالمیں مسجد
جہاں اس وقت خاک اُڑتی نظر آتی ہے سکھوں کو　　وہاں مسجد بنے گی اور وہ بھی مرمریں مسجد

یہی ہے فیصلہ لاہور کے گنجِ شہیداں کا
کبھی انگریز کے قبضہ میں رہ سکتی نہیں مسجد

رنگون ۔ ۲۹ ۔ اگست ۱۹۳۶ء

نوید آزادیٔ ہند

(ٹاؤن ہال رنگون میں کانگرس کے علم لہرائے جانے کی تقریب پر)

وُہ دن آنے کو ہے آزاد جب ہندوستاں ہوگا
مبارکباد اس کو دے رہا سارا جہاں ہوگا

عَلَم لہرا رہا ہوگا ہمارا راتے سینا پر
اور اُونچا سب نشانوں سے ہمارا یہ نشاں ہوگا

زمیں والوں کے سر خم اس کے آگے ہو رہے ہوں گے
سلامی دے رہا جُھک جُھک کے اس کو آسماں ہوگا

برہمن مندروں میں اپنی پُوجا کر رہے ہوں گے
مسلماں دے رہا اپنی مساجد میں اذاں ہوگا

جنہیں دو وقت کی روٹی میسّر اب نہیں ہوتی
بچھا اُن کے لئے دُنیا کی ہر نعمت کا خواں ہوگا

من و تو کے یہ جتنے خرخشے ہیں مٹ چکے ہوں گے
نصیب اُس وقت ہندو و مسلماں کا جواں ہوگا

توانا جب خدا کے فضل سے ہم ناتواں ہوں گے
غرور اُس وقت انگریزی حکومت کا کہاں ہوگا

رنگون - ۳۰ - اگست ۱۹۳۶ء

قادیانیات

پکڑ فولاد سے بھی ہے مری سخت
مرا سینہ ہے چکلا اور چوڑا

غلام احمد مرا لوہا گیا مان
اُٹھایا میں نے جب دیں کا ہتھوڑا

ہر اک میداں سے بھاگے قادیانی
کہ ان کا پیشوا بھی تھا بھگوڑا

بشیر الدین کا ٹٹو تھا مریل
لگے چابک نہ لیکن پھر بھی دوڑا

چڑھی گھی کی کڑھائی قادیاں میں
کنھیا نے تلا اپنا پکوڑا

اگر منہ زور ہے باطل کا گھوڑا
تو میرے پاس بھی ہے حق کا کوڑا

چلی پنجاب میں جب دیں کی گاڑی
. تو اُنکا قادیانیت کا روڑا

کیا مرزا نے بدنام انبیا کو
محمد مصطفےٰ تک کو نہ چھوڑا

دئے اسلام کو چرکے جنھوں نے
اُنہیں سے اس نے اپنا رشتہ جوڑا

نبوت لنگڑی اور اندھی خدائی
ملا ہے خوب ان دونوں کا جوڑا

یہی اس کی نبوت کی ہے پہچان
کہ مر کر بھی نہ منہ لندن سے موڑا

رنگون
یکم ستمبر ۱۹۳۶ء

مسجد شہید گنج کی شہادت

جس دن شہید گنج کی مسجد ہوئی شہید
اسلامیوں کے سر پہ قیامت گزر گئی

اپنوں کا اک گروہ پرایوں سے جا ملا
بازی جو ہم نے جیت ہی لی تھی وہ ہر گئی

اسلام کے حریف کی سنگین کی انی
سینے میں پیرتی ہوئی دل تک اُتر گئی

رسوائی اپنے دیں کی ان آنکھوں سے دیکھ لی
حسرت بھری نگاہ ہماری جدھر گئی

مومن سے پُوچھتا ہے یہ کافر براہِ طنز
تیری ہزار سالہ حمیّت کدھر گئی

رنگون ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

میرے مشاغل

میں صحائف کی ادارت بھی کیا کرتا ہوں
یہ خسارہ کی تجارت بھی کیا کرتا ہوں

سر کٹاتا ہوں میں ناموسِ مساجد کے لئے
آبِ خنجر سے طہارت بھی کیا کرتا ہوں

قادیاں لرزہ براندام مرے نام سے ہے
کہ میں ویراں یہ عمارت بھی کیا کرتا ہوں

صوفیوں پر جو ہوں نقلی میں برس پڑتا ہوں
بھول کر میں یہ جسارت بھی کیا کرتا ہوں

یاد عالم کو دلاتا ہوں فرائض اُس کے
آئے دن میں یہ شرارت بھی کیا کرتا ہوں

ہاتھ کرتا ہوں اگر صاف میں اپنے اُوپر
خوانِ انگریز کو غارت بھی کیا کرتا ہوں

کیا تعجب ہے کہ احرار بھی گرما جائیں
کہ میں پیدا یہ حرارت بھی کیا کرتا ہوں

ہندوؤں کو میں ملاتا ہوں مسلمانوں سے
کانگرس کی میں سفارت بھی کیا کرتا ہوں

رنگون ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

علامہ رشد مکیؒ

خطیب سنّی مسجد رنگون

عمل کی جان ہیں اور علم کی روح — جنابِ حضرتِ علاّمہ رشد
جسے بخشی گئی منقارِ بلبل — اُسے کہتا ہے مشرق خامہ رشد
بلائیں آکے لیں قدسیوں نے — کیا زیب بدن جب جامہ رشد
ہدایت کی ضرورت تھی زمیں کو — جب اُترا آسماں سے نامہ رشد

صدا احسنت کی آئی فلک سے
ہُوا جس وقت پورا چامہ رشد

رنگون ۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

مانڈلے

رسولؐ اللہ کی عزت کا لہراتا ہوا پرچم
مَیں کلکتہ سے رنگون اور وہاں سے مانڈلے پہنچا

مَیں آ پہنچا کہ چھڑکوں قادیاں کے زخم پر مرچیں
مسلمانوں کا منہ بھرنے کو گھی اور کھانڈ لے پہنچا

نئی تہذیب کا بہروپیا نکلا جو روما سے
تو اپنی ذات کے کچھ بھڑوے اور کچھ بھانڈ لے پہنچا

ہزاروں آشنا کشتے ہیں جس شفتل کے غمزوں کے
ہمارے گھر بھی مغرب وہ نپوتی رانڈ لے پہنچا

گئو ماتا کی آنکھیں لگ رہی تھیں جس پہ مدت سے
چلا لندن سے لنلتھ گاؤ اور وہ سانڈ لے پہنچا

رنگون - ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

مجلسِ اتحادِ ملّت

وہ انجمن ہے جس کا نام اتحادِ ملّت ‏ شکرِ خدا کہ اُس پر ہے اعتمادِ ملّت

آزادیِ مساجد آزادیِ وطن ہے ‏ ہے عالم آشکارا یہ اعتقادِ ملّت

اُس فیصلہ کے آگے کیوں سب کے سر نہ خم ہوں ‏ قرآں کی روشنی میں ہو جس پہ صادِ ملّت

اے ربّ کعبہ تیرا گھر آج اُجڑ رہا ہے ‏ اُجڑا یہ گھر بسا کر بر لا مرادِ ملّت!

چھلنی ہیں گولیوں سے اسلامیوں کے سینے ‏ پہنچا ہے آسماں تک شورِ نہادِ ملّت

کُشتوں کے لاکھ پُشتے لگ جائیں گر تو غم کیا ‏ کرتا ہو گر تقاضا اس کا مفادِ ملّت

سُن لیں یہ سُننے والے مسجد ملی نہ جب تک ‏ اُس وقت تک رہے گا جاری جہادِ ملّت

مسجد کی بازیابی ہے اصل کامیابی ‏ جب سر مہم یہ ہوگی ہم لیں گے دادِ ملّت

ملّت کے تفرقوں کا آسان ہے مٹانا ‏ لیکن ہیں قادیانی وجہ فسادِ ملّت

ملّت اگر سمجھ لے مَیں کون ہوں تو اب بھی

دونوں جہاں کی دولت ہو خانہ زادِ ملّت

رنگون ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

شانِ احمدِ مجتبیٰ

جو رونق عرب کی ہوئی شانِ احمدؐ — تو زینت عجم کی ہوئی آنِ احمدؐ

خدا کی محبت کی گیرا انہوں نے — قسم جس کی کھائی وہ ہے جانِ احمدؐ

فرشتے یہ کل عرش پہ کہہ رہے تھے — کہ کسریٰ و قیصر ہیں دربانِ احمدؐ

نہ دیکھی ہو تصویرِ رحمت کی جس نے — وہ دیکھے سراپائے رخشانِ احمدؐ

ہوئے ریزہ چیں گبرو ترسا بھی اس سے — وسیع اس قدر ہو گیا خوانِ احمدؐ

ارسطو کی حکمت ہی یثرب کی لونڈی — فلاطوں ہے طفلِ دبستانِ احمدؐ

بنا ماہِ نو جھک کے نعل اُس کے سُم کی — بڑھا جب سوئے بدر یکرانِ احمدؐ

یہ قصہ نہ ہو ختم شامِ ابد تک — گِنانے پہ آؤں جو احسانِ احمدؐ

یہاں جنس توحید کی بیچتے ہیں — چمکتی اسی سے ہے دُکانِ احمدؐ

ہوئی ظلمتِ کفر کافور جب سے | ہے روشن چراغِ شبستانِ احمدؐ
مجھے دین و دُنیا کی دولت ملی ہے | کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامانِ احمدؐ
مری مدح کرتی ہے ساری خدائی | ہُوا ہُوں میں جب سے ثنا خوانِ احمدؐ
ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں | مَیں ہُوں عندلیبِ گلستانِ احمدؐ
یہود اور نصاریٰ کو رہنے نہ دیں گے | عرب میں کبھی جاں نثارانِ احمدؐ
نکالیں گے چُن چُن کر اُن کو یہاں سے | کہ پہنچا ہے ہم کو یہ فرمانِ احمدؐ
ہے اُلٹی عجب کھوپری قادیاں کی | نبی بن گئے ہیں غلامانِ احمدؐ
اُڑائیں گے پُرزے براہینؔ کے ہم | کہ بُرہانِ قاطع ہے بُرہانِ احمدؐ

مبارک ہو رندانِ ہندوستاں کو
کہ پھر جوش میں ہے خمستانِ احمدؐ

رنگون ۔ ۴ ستمبر ۱۹۳۶ء

ٹیچی ٹیچی

نبوّت مجھے بخشی انگریز نے — یہ پودا اُسی کا ہے خود کاشتہ

پلومر کی بھٹی سلامت رہے — ہے جس کی صبوحی مرا ناشتہ

کنھیا بھی ہُوں اور مہدی بھی ہُوں — ہے دونوں کی عزّت مری داشتہ

دکھائے نہ توحید آنکھیں مجھے — کہ تثلیث ہے پرچم افراشتہ

یہ ہی ٹیچی ٹیچی[1] کی ہر وقت "ٹچ"

جو ہے میری تھیلی زرانباشتہ

رنگون۔ ۵۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

[1] مرزا غلام احمد قادیانی کا فرشتہ خاص جو ننت کے وقت آسمان قادیاں سے اُتر کر اُن کی جیب روپے اور نوٹوں سے بھر دیا کرتا تھا۔

اللہ کے پیارے

طریقِ عدل اس انگریزی حکومت کے بھی نیارے ہیں
ہُوئی ہیں مسجدیں ویراں سلامت گُردوارے ہیں

خدا ثابت قدم رکھے ہمیں اس آزمائش میں
اُدھر ہیں گولیاں اُن کی اِدھر سینے ہمارے ہیں

نئی تہذیب کی مشعل کے گُل ہونے کا وقت آیا
زمیں پر ٹوٹ کر گرنے کو گردوں کے ستارے ہیں

تباہی آئے گی یورپ کے جنگی دیوتاؤں پر
فرشتے کر رہے کچھ دن سے آپس میں اشارے ہیں

نہ پھیر ان سے خدایا گوشۂ چشمِ کرم اپنا
مسلماں جی رہے ہیں تیری ہی رحمت کے سہارے ہیں

خدا مُنہ چُوم لیتا ہے محبّت سے شہیدوں کا
وُہی اللہ کا پیارا ہے جن کے کام پیارے ہیں
کسی دن مل ہی جائے گی ہمیں آزادیٔ کامل
بہت دن ہم نے غیروں کی غلامی میں گزارے ہیں

رنگون
۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

موجِ خوں

رائگاں جا نہیں سکتا کبھی خونِ شہدا — رنگ لائے گا فلسطیں کے مسلمان کا خوں

آپ کہتے ہیں لہو ہے یہ گنہگاروں کا — ہم اسے سمجھے ہیں بلفور کے اعلان کا خوں

خوں نہتوں کا بہا لیتے ہیں بیشک انگریز — جب ہیں جانیں کہ کریں اٹلی و جاپان کا خوں

دل و دیں چھین لیا شرم و حیا بھی چھینی — ان کی گردن پہ ہی سارے سر و سامان کا خوں

نظر آتا ہے ہمیں دامن برطانیہ پر — کہیں افغان کا خوں اور کہیں ایران کا خوں

وقت آیا ہے کہ گلرنگ ہو موجِ یردن — اس سے مل جانے کو ہی نجد کے اخوان کا خوں

مارشل لا کی ہر اک دفعہ پکار اُٹھے گی — کہ ہوا آپ کی تہذیب کے ارکان کا خوں

وقت سے پہلے کہیں حشر نہ برپا ہو جائے — نہیں آسان بہانا عربستان کا خوں

کہہ دے جا کر کوئی مغرب کے جہانبانوں سے — آج بھی گرم ہے بطحا کے شتربان کا خوں

کرم آباد کی مسجد سے ندا آتی ہے — کہ ہوا مجلسِ احرار کے ارمان کا خوں

داد کیا دیں گے مری نظم کی "پرتاپ" و "ملاپ"
جو کیا کرتے ہیں نظم میں اوزان کا خوں

رنگون
۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

انفاق فی سبیل اللہ

جب ہوئی لاہور کی مسجد شہید
مچ گیا شورِ قیامت کو بکو

بھاؤ پانی سے بھی سستا ہو گیا
بہ گیا اتنا مسلماں کا لہو

پھر یہ گھر اُجڑا ہوا آباد ہو
ہے یہ ہر مومن کے دل کی آرزو

سر کے بل جاکر پڑھیں اس میں نماز
آبِ خنجر سے کریں اس میں وضو

نعرۂ اللہ اکبر ہو بلند
اور زبانوں پہ ہو وردِ جاہدوا

مال ہی قرباں کرو اس راہ میں
جان دینے کی نہیں گر آرزو

سن لو جبریلِ امیں کا یہ پیام
لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا

ہو گئے ہندوستاں میں ہم ذلیل
آبرو رکھ لے مسلمانوں کی تو

رنگون۔ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

سایۂ شمشیر

مری آنکھوں کو منظور آج مشقِ خونچکانی ہے ۔ جگر سے تا بمژگاں مجھ کو رودِ سرخ لانی ہے

کبھی موسم بھی آہی جائیگا پرہیزگاری کا ۔ شرابِ تیز لا ساقی کہ ہنگامِ جوانی ہے

روایاتِ سلف کو زندہ رکھنا اس زمانہ میں ۔ نشانِ کامگاری ہے دلیل کامرانی ہے

علیؓ کے بازوئے زور آزما کی ہے قسم مجھ کو ۔ کہ پنہاں سایۂ شمشیر میں صاحبقرانی ہے

محمدؐ کی غلامی کا شرف جس کو ہوا حاصل ۔ سکندر کا وہ ہمتا ہے سلیماںؑ کا وہ ثانی ہے

ہزاروں مستیاں پیدا ہیں بطحا کے خمستاں سے ۔ نہ ہو کیوں یہ شراب اچھی کہ صدیوں کی پرانی ہے

وہ خوں لالہ رو کی کلیوں کو گلگوں کر دیا جس نے ۔ مرے مضمون کا عنواں اسی سے زعفرانی ہے

کرے گا انقلاب اس ملک میں اک روز یہ برپا ۔ کہ نیلی پوش ہوں یہ اور سرا رنگ آسمانی ہے

ہمیں اک روز ہو گی جلوہ گر اس کے سنگھاسن پر ۔ کہ صدہا سال سے دہلی ہماری راجدھانی ہے

کٹایا جس نے راہِ حق میں سر جنت میں جا پہنچا ۔ بشارت یہ حسینؓ نے بزرگوں کی زبانی ہے

میں دنیا جاؤں گا یہ شورو زنگوں والوں کو ۔ کہ برپا ہیں بساط ان کو اخوت کی بچھانی ہے

مبرّا ہی کلام آورد کے اسقام سے میرا
مرے اشعار کی آمد میں دریا کی روانی ہے

یہ نظم جب ایک محفل میں پڑھی جا چکی تو کچھ مسلمانوں نے اصرار کیا کہ دو ایک شعر اسی زمین میں قادیاں شریف پر بھی ہو جانے چاہئیں۔ اس فرمائش کی تعمیل اُسی وقت یوں کی گئی:۔

اُنہیں ڈھب چندہ لینے کے ہیں یا دانتے کہ میں سمجھا   یہ چندہ مانگنے والا یقیناً قادیانی ہے

پلو مرکا وہ آب آتشیں اب مجھ کو پلوا دے
دوبالا جس سے ہو جاتا نشاطِ زندگانی ہے

رنگون ۱۰۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

بھائی پرمانند

"تازیانہ شمشیر" کے عنوان سے جو نظم اوپر درج ہوئی ہے وہ رنگون کے ارباب ذوق کو اس قدر پسند آئی کہ اہل محفل نے مزید فرمائش کی کہ اسی قافیہ اور اسی ردیف میں ہندو دھا سبھا کے نفسِ ناطقہ بھائی پرمانند جی کی بھی تواضع ہو جانی چاہیئے۔ امتثالاً للامر اسی محفل میں یہ اشعار موزون ہو گئے :۔

جنہیں سمجھے ہو گاندھی بس کی وہ امرت کی بوندیں ہیں
انہیں کے فیض سے قائم وطن کی زندگانی ہے

قسم اک دن بھی کھاتا آج جن کی پاکبازی کی
انہیں ستونتیوں سے بھائی جی کو بدگمانی ہے

معافی کانگرس کی بیبیوں سے مانگ لی آخر
بڑی ہی بھائی پرمانند جی کی مہربانی ہے

الجھنا عورتوں سے اور دینا گالیاں ان کو
یہ ہر ہندو سبھائی کا سلیقہ خاندانی ہے

چڑایا منہ جنہوں نے اد بدا کر صنفِ نازک کا
اب ان کو خیر اپنے کاسہ سر کی منانی ہے

جلال اس وقت ہے ان بیبیوں کا دید کے قابل
کوئی ہے کالکا ان میں کوئی ان میں بھوانی ہے

ادب سے ہاتھ جوڑے گڑگڑا کر ناک بھی رگڑی
معافی بھائی پرمانند جی کی انڈمانی ہے

رنگون۔ ۱۰۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

اسلام کے قدم!

ہندوستاں میں آئے جب اسلام کے قدم
اک آن میں اکھڑ گئے اصنام کے قدم

چلتے اسی پہ کاش دیانند کے بھگت
جو نقش چھوڑتے گئے ہیں رام کے قدم

شیخ اور برہمن کے نشانات مٹ گئے
اس سرزمیں میں جب سے جمے ٹام کے قدم

ہیں خانۂ خدا میں بھی پہرے لگے ہوئے
رکھیں گا مسجدوں میں ذرا انغام کے قدم

نصرانیوں نے تھامی اتاترک کی رکاب
چومے ہیں آ کے کعبہ کے خدام کے قدم

وہ دن نہیں ہیں دور کہ لیں گے بصد ادب
اٹلی و جرمنی بھی بنی سام کے قدم

ہر معرکہ میں جن کو عرب نے کیا ذلیل
بڑھنے لگے اسی میں ان اقوام کے قدم

جھوٹی پیمبری نے سہارا دیا جنہیں
کیوں لڑکھڑا نہ جائیں اُن اوہام کے قدم

فتنے نئے نئے ہوئے پیدا جہاں گئے
پنجاب کے نبیٔ بد انجام کے قدم

رنگون - ۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

لُوٹ

حاشا کہ اس قدر نہیں سارے جہاں کی لُوٹ
جتنی ہے ایک سال میں ہندوستاں کی لُوٹ
گلچیں کے دستِ شوخ کی گیرائیوں کو دیکھ
سُنبل کی لُوٹ لالہ کی لُوٹ ارغواں کی لُوٹ
اُجڑے ہُوئے چمن میں ہے بلبل کا آشیاں
منظور انہیں ہے شاید اب اس آشیاں کی لُوٹ
مغرب کے رہزنوں کی نظر میں ہے رات دن
مشرق کے نقدِ امن و متاعِ اماں کی لُوٹ
لندن سے جو بچا تھا وُہ شملہ میں لُٹ گیا
اور اس پہ مُستزاد ہُوئی قادیاں کی لُوٹ

رنگون - ۱۲ - ستمبر ۱۹۳۶ء

حقوق کی مختلف اقسام

اگر آزادیٔ کامل مرا پیدائشی حق ہے
تو کونسل میں گرجنا آپ کا آبائشی حق ہے

رگڑنا ناک انگریزوں کی چوکھٹ پہ ہے فرضِ اُن کا
لگانا قہقہے اس پہ مرا فرمائشی حق ہے

مبارک ضبطِ تولید آپ کو اور آپ جیسوں کو
بڑھانا نسلِ آدم کی مرا افزائشی حق ہے

بنانا عورتوں کی وضع شامل ہو کے فرشن میں
کسی سے چھن نہیں سکتا یہ وہ زیبائشی حق ہے

لپٹ جانا کسی مس سے جو عریانی کی پُتلی ہو
نئی تہذیب کا بخشا ہُوا آلائشی حق ہے

حق اپنی وضع کا ہی جھونپڑوں میں دن بسر کرنا
تو رہنا اونچے محلوں میں بھی اک آسائشی حق ہے

زمیں کو ناپتے پھرنا کہ یہ آخر ہماری ہے
ازل سے دیوِ استعمار کا پیمائشی حق ہے

محبانِ وطن کو قید اور پھانسی سے دھمکانا
ملوکیت پرست انگریز کا فہمائشی حق ہے

رنگون - ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

نویدِ لاتقنطوا

کفر کی رخشندہ بستی میں اندھیرا کر دیا
تین سو تیرہ نے اُس کو تین تیرہ کر دیا

مَیں شُتربان تھا جہانباں کر دیا اسلام نے
مرتبہ اس نے بلند اس درجہ میرا کر دیا

مانگتا میں اس سے بڑھ کر اور کیا تجھ سے مُرادٗ
تیری رحمت نے خدایا مجھ کو تیرا کر دیا

اپنے بندوں کو سُنایا مژدۂ لاتقنطوا
تُو نے آباد ان سیہ بختوں کا ڈیرا کر دیا

سیکھ لے مجھ سے کوئی آنکھوں میں راتیں کاٹنا
میری تر آنکھوں نے اندھیرے کو سویرا کر دیا

دی کسی کو حق نے ذلّت اور بنایا مالوی
بخش کر عزّت کسی کو ڈی ولیرا کر دیا

اندلس میں جا ہی پہنچے پھر مراقش کے جواں
قصر الحمرا پہ نصب اپنا پھریرا کر دیا

مہرزاجی کا خدا بھی خوب ہے جس نے اُنہیں
پہلے پیغمبر بنایا پھر لُٹیرا کر دیا

رنگون - ۱۳ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء

شورِ قیامت

مَیں نے مانا کہ مرا پیشہ خطا کوشی ہے
میرے اللہ کا شیوہ تو خطا پوشی ہے

میرے گھر دولتِ کونین خود آئی چل کر
مَیں ہُوں اور اُس کی تمنّائے ہم آغوشی ہے

مصلحت سے نہ کبھی جبر کو سر و کار رہا
وہ فقط میری جہاں سوز بلا نوشی ہے

بزم میں رند جو ہیں مست تو ساقی بھی ہے مست
جس طرف دیکھئے مدہوشی ہی مدہوشی ہے

جس سے ہو جانے کو ہے شورِ قیامت برپا
کشورِ ہند کے مظلوم کی خاموشی ہے

رنگون ۔ ۱۳ ۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

برما کی برسات

برسات میں برما کی دل آویز فضا دیکھ
کشمیر کے بعد آ کے یہاں شانِ خدا دیکھ

سُورج کا پتہ پُوچھتی پھرتی ہے خدائی
بادل کو اس انداز سے گردوں پہ گھرا دیکھ

ہر قطرۂ باراں میں جو ٹپکا ہے زمیں پر
اللہ کی مخلوق کا سامانِ بقا دیکھ

تیری نگہِ شوق پہنچتی ہے جہاں تک
ہر خطّہ میں اک منظرِ اندوہ رُبا دیکھ

گنبد بھی طلائی ہے کلس بھی ہے طلائی
گوتم کا انوکھا یہ طلا کا "پھیا"[1] دیکھ

آئی ہے دبے پاؤں صبا اس کو جگانے
انگڑائیاں لیتے ہوئے سبزہ کی ادا دیکھ

رنگوں کی جھیلوں کے کناروں پہ چلا جا
اور نُور کے سانچوں میں حسینوں کو ڈھلا دیکھ

جُوڑے کی گل اندازگندھاوٹ پہ نظر ڈال
اور غازۂ رخسار میں صندل کو ملا دیکھ

---

[1] برہمیوں کا ہیکل

بیٹھی ہوئی رنگون کی مالن ہے سرِ راہ
ہر رنگ کے پھولوں سے سبد اس کا بھرا دیکھ

لب ہائے عقیقی پہ نہیں پان کی سُرخی
اس رنگ میں تو سُرخیِ خونِ شہدا دیکھ

سینہ جو برہنہ ہے تو بانہیں بھی ہیں عُریاں
پھر کر نئی تہذیب کا اندازِ حیا دیکھ

بجلی کی طرح گر تجھے ہنسنے کی ہے خواہش
یکجا گل و بلبل کو کسی باغ میں جا دیکھ

رونے کی تمنّا ہے اگر ابر کی مانند
گھر جل کے مسلماں کو مسلماں سے جُدا دیکھ

دلگیر نہ ہو اس قدر اے زادۂ توحید
اُٹھتی ہوئی یثرب کی بھی گھنگور گھٹا دیکھ

اُٹھی جو عرب سے ہے تو برسی ہے عجم پر
ہوتا ہے کوئی دم میں ترا کھیت ہرا دیکھ

ایمان کے پٹکے سے عزیمت کی کمر باندھ
کرتا ہے پھر اللہ ترے واسطے کیا دیکھ

رنگون۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۶ء

ضبطِ تولید

تقاضا ہے مغرب کی تقلید کا　　کہ ہو خبط اُنہیں ضبطِ تولید کا

جب اس سر پھرے کی ہوئی جستجو　　تو نکلا وہ فرزند توحید کا

اشارہ ہو تہذیبِ نَو کا اگر　　کریں عزم قرآں کی تردید کا

شریعت کی تضحیک کرنے لگے　　ہُوا حوصلہ دیں کی تجدید کا

کلوا واشربوا آج عنوان ہے　　کتابِ تمدّن کی تمہید کا

ہے منظور کعبہ کی تخریب اُنہیں　　ہے سودا مجھے اس کی تجدید کا

بھروسہ مسلمان کو ہے اگر　　تو ہے ربِّ اکبر کی تائید کا

اُنہیں دے چکا ہوں میں مُہلت بہت　　فقط رہ گیا کام تبرید کا

ہوئی جن کی سو بار مٹی خراب　　کسے اعتبار اُن مواعید کا

فلسطین آزاد ہو گا ضرور　　نہیں بند دروازہ امید کا

مرے دل میں ہو ربِّ اکبر کا خوف　　نہیں ڈر مجھے اُن کی تہدید کا

بجز اس سے کوئی منایا کرے

یہی رنگ ہے میری تنقید کا

نگین۔ ۱۵۔ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء

اچھوتا سہرا

بہ تقریب عروسیٔ سیٹھ اسمٰعیل قاسم گورا باوا حسب فرمائش حاجی رحیم بخش مصوّر

مری طبعِ رسا فرمائشیں پوری کرے کتنی — نہ لینے دے گی مجھ کو چین میری نکتہ ایجادی
نئی فرمائش اب سہرے کی بھیجی ہے مصوّر نے — کہ اسمٰعیل کی شادی ہے اور ہے دھوم کی شادی
تقاضا جب ہوا چاروں طرف سے اہلِ محفل کا — یہ چند اشعار کہہ کر میں نے محفل بھر میں گا دی
جواں سال و جواں بخت و جواں دولت جو ہے نوشہ — عروس اس کی ہے اقلیمِ جمالستاں کی شہزادی
مبارک باد اس تقریب پر دی اس کو یاروں نے — ہے زیبِ خانۂ اسلام اس کی خانہ آبادی
شریک اس تہنیت میں ہو تو سکتا میں بھی ہوں لیکن — مجھے ڈر ہے کہ ہونے ہی کو ہے سلب اس کی آزادی

نہ پائیں گے گزرنے دیکھ لینا دس مہینے بھی
نیا ہو جائے گا پیدا اک انگریزوں کا فریادی

رنگون ۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

بُتانِ رنگون کا طعنہ

اپنے اسلاف کا لینا ہے اگر نام مجھے
جس سے تھا کام اُنہیں کرنا ہو وہی کام مجھے

خدمتِ خلق ہے طاعت کا حقیقی مفہوم
یہی سمجھائی گئی غایتِ اسلام مجھے

جان ناموسِ محمدؐ پہ تصدق ہو مری
بخشتا ہے تو خدا بخشے یہ انعام مجھے

مرحمت مجھ کو ہوئی لذتِ آزار کی حرص
دے نہ راحت طلبی کا کوئی الزام مجھے

سرفروشی ہے مرا پیشہ مجاہد ہوں میں
دلق و سجادہ و تسبیح سے کیا کام مجھے

جاگنے والی ہے تقدیر مسلمانوں کی
عالمِ قدس سے پہنچا ہے یہ پیغام مجھے

آج کے خاک نشیں ہوں گے کل افلاک نشیں
دے رہی ہے یہ سبق گردشِ ایام مجھے

ساتھ توحید کے فرزند نہ دیں گے جس کا
نظر آتا ہے بد اُس قوم کا انجام مجھے

تو موحد ہے تو اغیار کا پھر کیوں ہے دلیل
طعنہ سچ دیتے ہیں رنگون کے اصنام مجھے

دے تو سکتا ہوں میں اس طعنہ کا ہر بُت کو جواب
گر بتا دیں علما شرع کے احکام مجھے

ہو گئی مجلسِ احرار یہاں بھی قائم
نظر آتا ہے نیا دانہ نیا دام مجھے

رنگون
۱۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

تمائیں!

رنگون سے شمال کی جانب سات میل کے فاصلہ پر تمائیں ایک پر رونق قصبہ ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر اُن کے ایک تبلیغی جلسہ میں شرکت کی غرض سے میرا وہاں جانا ہوا۔ اور اس جلسہ میں منتظمین جلسہ کی فرمائش پر ذیل کی نظم اُن کی نذر کی گئی:۔

مَیں جب اسلام کا پیغام لے کر	گیا رنگون سے اک دن تمائیں
کہی اسلامیوں نے بڑھ کے لبیک	جوان و پیر نے خوشیاں منائیں
اخوت کے کرشمے تھے چپ و راس	اُنہی کا جادہ تھا بالا و پائیں
کیا پہلے تو فرشِ راہ دل کو	پھر آنکھیں میرے رستہ میں بچھائیں
مری باتوں سے اُن کے دل کے اندر	تمنائیں مرے دل کی سمائیں
فلسطیں کے مظالم کا ہُوا ذکر	ندائیں ساری محفل سے یہ آئیں
یہودی کے لہو کی ندیوں میں	مسلمانوں کی تلواریں نہائیں
تباہیِ عرب کا جب سُنا حال	تو آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائیں
خُدا کی رحمت اُن پر، راہِ حق میں	جنہوں نے گردنیں اپنی کٹائیں
مبارک ہیں وہ، ناموسِ نبیؐ پر	جنہوں نے مونچھیاں اپنی کٹائیں

شہیدانِ عرب کے خوں کی بوندیں — فلسطیں کی فضا میں رنگ لائیں
صلیبی معرکوں کی بدلیاں پھر — سوادِ مشرق ادنےٰ پہ چھائیں
پھر اُٹھے ہیں وُہی غازی جنھوں نے — مسیحیت کی بُنیادیں ہلائیں
کوئی دن میں نصاریٰ دیکھ لیں گے — کہ ہم نے گردنیں اُن کی جھکائیں
حیاتِ نَو کا جو دیتی ہیں پیغام — وہ باتیں ہیں نے ملت کو جتائیں

کھُلے گا جن سے آزادی کا عقدہ
وہ گھاتیں ہیں نے یاروں کو بتائیں

تمائیں۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

مہمند

سنتا ہوں کہ سرحد ہوئی پھر نعل در آتش
توحید کے جانباز جگربند پھر اُٹھے

بے تاب ہوئے سن کے فلسطین کی فریاد
ہر گوشہ سے اسلام کے فرزند پھر اُٹھے

خیبر شکنی مشغلہ صدیوں سے ہی جن کا
مرحب کی تواضع کو وہ مہمند پھر اُٹھے

باندھے ہوئے تیغ و کفن آ پہنچے مجاہد
کرتے ہوئے مولا کو رضامند پھر اُٹھے

پیراہنِ اسلام میں خیاطِ عرب کے
دولت کا لگاتے ہوئے پیوند پھر اُٹھے

کابل کی حکومت سے اُلجھنے کا ہی سودا
لے کر یہ جنوں لالۂ خورسند پھر اُٹھے

دل چھین لیا جس نے خدائی کا، الٰہی
وہ ولولہ ہوتا ہوا دہ چند پھر اُٹھے

جس گرز کی اک ضرب سے البرز ہوا چور
وہ گرز بتائیدِ خداوند پھر اُٹھے

عثمان کا لیتا ہوا نام النفرہ اٹھا
تیمور کی خاطر بھی سمرقند پھر اُٹھے

رنگون۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

دریاؤ کے سورتی

دریاؤ ریاست بڑودہ کا ایک دل کشا گاؤں ہے جو سورت کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر دریائے تاپتی کے کنارے آباد ہے۔ یہاں کے رہنے والے گجراتی مسلمانوں کو جو برما میں بسلسلۂ تجارت آ گئے ہوئے ہیں رنگون میں دریاؤ ہی سُنّی سورتی کہتے ہیں۔ میرے عزیز دوست یعقوب گورا یا دا جو سفر برما میں ہر موقع پر میرے ساتھ رہے دریاؤ ہی کے باشندے ہیں۔ یہ نظم انہیں کی فرمائش کا نتیجہ ہے:-

زندگی کی ناؤ کھیتے ہیں خدا کے نام پر
اپنی ہمت کے سہارے سورتی دریاؤ کے

پہلے دن سے ہے تجارت مشغلہ اسلام کا
کیوں نہ پھر تاجر ہوں سارے سورتی دریاؤ کے

دولتِ اسلام چمکی جس پہ بن کر مہر و ماہ
اُس فلک کے ہیں ستارے سورتی دریاؤ کے

کون ہیں نامُوس دیں ہے جن کو جاں سے بھی عزیز
عالمانِ دیں پکارے سورتی دریاؤ کے!

مسجدِ لاہور کی عزت یقیناً ہو بحال
گر معاون ہوں ہمارے سورتی دریاؤ کے

بسکہ مال اپنا کیا اللہ کے رستے میں صرف
کوئی بھی بازی نہ ہارے سورتی دریاؤ کے

مسجدیں اِن کی ہیں تصویرِ جمالِ مصطفےٰ
ربِّ اکبر کے ہیں پیارے سورتی دریاؤ کے

کامیابی دین و دُنیا کی میسّر ہو انہیں
گر سمجھ لیں یہ اشارے سورتی دریاؤ کے

رنگون
۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

زبان کا لوچ

سیّد ہو یا پٹھان ہو مرزا ہو یا بلوچ
دیں سے بھی کچھ لگاؤ ہے اس بات کو تو سوچ

منطق سُنی ہے اُن کی تو اپنے ہی سر کو پیٹ
ممکن نہ ہو اگر یہ تو اُن کے ہی منہ کو نوچ

مسجد کے رُخ کو چھوڑ کلیسا کی راہ لے
پہلا یہ کام کر کہ کسی مِس کو جا دبوچ!

زربفت سے منڈھا جنہیں دستِ فرنگ نے
مجھ بوریا نشیں کو میسّر کہاں وہ کوچ

کیوں خوش نہ ہو رقیب کہ میں کوچۂ یار میں
ایسا گرا کہ پاؤں میں بے طرح آئی موچ

میں نے ادب کی بزم کو رخشندہ کر دیا
دہلی و لکھنؤ کا ہی میری زباں میں لوچ

رنگون ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

انسین

رنگون سے بجانب شمال نو میل کے فاصلہ پر انسین کی بستی واقع ہے جہاں کم و بیش پانچ ہزار مسلمان آباد ہیں۔ یہاں کی جامع مسجد میں ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء کی شب کو زیر صدارت سیٹھ عبدالشکور راشن مرچنٹ ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ یہ نظم مسلمانانِ انسین کی محبت کے مظاہروں سے متاثر ہو کر سپرد قلم کی گئی:۔

بساطِ اخوت بچھاتا ہوا   مرے ساتھ آ تُو بھی انسین چل

بُجھاتا ہوا کفر کی لالٹین   جلاتا ہوا مشعلِ دین چل

سُناتا ہوا وجد پرور رجز   بجاتا ہوا نجد کی بین چل

پڑھاتا ہوا درس توحید کا   سکھاتا ہوا اس کے آئین چل

مٹاتا ہوا نقشِ تہذیبِ نو   جماتا ہوا رنگِ تمکین چل

سُناتا ہوا مصطفیٰؐ کی دعا   مچاتا ہوا شورِ آمین چل

جُھکاتا ہوا گردنِ کائنات   اُڑاتا ہوا پرچمِ دین چل

گراں سارے کاموں سے فرصت ملے   کفن سر سے باندھ اور فلسطین چل

لگا ہے فلسطین میں چل چلاؤ

چلا ہے تو بن کے [illegible] ابھی چل

رنگون
۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

ایک عالمِ دیں کی رسمِ عروسی

مولانا حکیم سعید الدین احمد صاحب ناظم جمعیتہ العلماء صوبہ برما ایک زیر بادی خاتون کو حبالۂ عقد میں لائے اور تمائیں میں جہاں آپ اقامت گزیں ہیں۔ آپ نے اپنے احباب کو دعوت ولیمہ دی میں بھی اس تقریب سعید پر مدعو تھا۔ متعدد سخن شناس اور سخن سنج حضرات نے جو اس موقع پر جمع تھے۔ مجھ سے ایک برمحل نظم کی فرمائش کی جو یوں پوری کی گئی :-

دوڑتا پھرتا ہے خوں تیزی سے شیخ و شاب کا
نشہ برما کی ہوا میں ہے شرابِ ناب کا

مد بھری راتوں کی تنہائی یہاں دیتی ہے درس
جاہلوں اور عالموں کو وانکحوا ما طاب کا

ایک برما کی دلہن بھی گھر میں لانی ہے ضرور
ہے تقاضا دعوت و ارشاد کے آداب کا

یہ سعادت گر ہو ارزانی سعید الدین کو
میں یہ سمجھوں فرض پورا ہو گیا پنجاب کا

جو گیا میدان میں بزمِ عروسی چھوڑ کر
بن گیا ہمسر رسولؐ اللہ کے اصحاب کا

بابِ پنجم ہے گلستاں کا یہ میری پھلجھڑی
یہ نہیں موقع ہے ذکرِ منبر و محراب کا

ذوق کے سہرے کو اس سہرے پہ کیوں ترجیح ہو
کونسا اُس میں لگا ایسا ہے پر سُرخاب کا

رنگون
۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

تثلیث کے نئے اقانیم

کعبہ سے جدا کیوں نہ کلیسا کا ہو آئین
اُس کا ہی خدا ایک ہے، اس کے ہیں خدا تین

ان تین خداؤں میں بڑا سب سے ہے پٹرول
کرتے ہیں جسے سجدہ زمانہ کے سلاطین

ڈرتے ہیں مسولینی و ہٹلر تو اسی سے
دبتا ہے کسی سے تو اسی سے ہے سٹالین

پٹرول کے بعد آتی ہے بارود کی باری
ابلیس نے جاری کئے ہیں جس کے فرامین

بچھ جائے سرنگ اس کی تو اڑ جاتے ہیں بھاگ سے
ارضِ حبش و مصر و خطا و ختن و چین!

باقی ہے اک اقنوم جسے کہتے ہیں فولاد
ملتے ہوئے دونوں سے ہیں اس کے بھی قوانین

اللہ ان آفاتِ ثلاثہ سے بچائے
جکڑا ہوا تینوں کی پکڑ میں ہے فلسطین

رنگون - ۲۱ - ستمبر ۱۹۳۶ء

ہندو مہا سبھا کا حُلیہ

دیا ہندوستاں کو دیسرانے بیل کا تحفہ
وہ دیتے کاش اس کے ساتھ سونے کی سنگوٹی بھی

کسی کے خوان پر ہیں چاء مکھن توس اور انڈے
نہیں ملتی کسی کو جو کی روکھی سوکھی روٹی بھی

سراپا ہے کسی کا غرق اطلس اور دیبا میں
نہیں ملتی کسی بیکس کو گاڑھے کی لنگوٹی بھی

میں اُن کی طرح فارغ فکرِ فردا سے اگر ہوتا
تو دیتی لطف مجھ کو بھیڑیں بھی اور جھنجھوٹی بھی

نہیں ہے بھائی پرمانند جی کے واسطے ممکن
کہ رکھیں تاج سر پر وہ ہو اُس سر پہ چوٹی بھی

اِن استعمار کی چیلوں کا جنگل بھی غضب کا ہے
نہ چھوڑی میرے جسمِ خونچکاں پر ایک بوٹی بھی

کوئی ملت سے پوچھے سلطنت کی گر تمنا ہے
تو اس کے واسطے تو خاک میں اور خوں میں لوٹی بھی

جواہر لال کو ہندو سبھا کیونکر پسند آئے
جو اندھی بھی ہے لنگڑی بھی ہے ٹھگنی بھی ہے موٹی بھی

بھگون۔ ۲۱۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

جگر کا اوّلیں داغ

مری انجمن میں روشن نہ رہا چراغ پہلا
نہ رہی شراب پہلی نہ رہا ایاغ پہلا

مری یثربی جبلّت مرا ساتھ چھوڑ بیٹھی
نہ وہ سیر رہا نہ اُس میں نہ رہا دماغ پہلا

نہ وہ حلقۂ گل و مُل نہ وہ نالہائے بلبل
نہ رہی بہار پہلی نہ رہا وہ باغ پہلا

مری سلطنت بھی چھینی مری مسجدیں بھی ڈھائیں
وہ تھی دل کی ٹیس پہلی یہ جگر کا داغ پہلا

میں تلاشِ حق میں نکلا تو ندا حرم سے آئی
کہ حق آگہی کے گھر کا ہے یہی سُراغ پہلا

ہے مسیلمہ کی دولت جو ملی ہے میرزا کو
یہ غراب آخریں ہے جو وہ تھا کلاغ پہلا

وہ اگر عرب کی ضد تھا تو یہ قادیاں کی ہٹ ہے
یہ الاغ دوئمیں ہے جو وہ تھا الاغ پہلا

رنگون - ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

مروارید کی بارش

کلام اللہ کو اس طرح کرتے تھے نبیؐ از بر
کہ جو کچھ سن لیا روح الامیں سے پڑھ دیا فر فر
ہوئے آتش کدے سرد اور صنم خانوں سے بت نکلے
خدا کی شانِ یکتائی کے نقارے بجے گھر گھر
رسولؐ اللہ کی اُمت کی رنگا رنگیاں دیکھو
کوئی ابیض کوئی اصفر کوئی اسود کوئی احمر
عرب کے ساربان زادوں کی کشور گیر سطوت نے
جو لوٹا تاج کسریٰ کا تو چھینی مسندِ قیصر
لٹاتے تھے وہ موتی بسکہ تھا دستِ فراخ اُن کا
گہر خیز و گہر بیز و گہر ریز و گہر پرور

رنگون۔ ۲۲۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

چاء کا گھونٹ اور حقہ کا کش

مے اگر حرام ہے چاء تو حلال ہے ۔۔۔ دورِ چاء کا چلے فصلِ برشگال ہے
ابر ہے گہر بدوش اور ہوا گہر فروش ۔۔۔ میرے گھر میں کیوں نہیں موتیوں کا کال ہے
تُرکِ شوخ و شنگ کی دیکھ خوں فشانیاں ۔۔۔ خالِ چہرۂ وفن رنگ مصطفےٰ کمال ہے
ہو رہی ہے شکوہ سنج مسجد شہید گنج ۔۔۔ جو لُٹا مری طرح وقف کا وہ مال ہے
حُقّہ پی رہا ہوں میں پی کے جی رہا ہوں میں ۔۔۔ جس میں جی رہا ہوں میں عالمِ مثال ہے
گنگنا رہا ہوں میں گُڑگُڑا رہا ہے وہ ۔۔۔ سُر ملا رہا ہوں میں دے رہا وہ تال ہے

سمجھے ہو جسے مذاق وہ ہمارے واسطے
زندگی و موت کا آخری سوال ہے

رنگون - ۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

چاء کا ارغوانی دَور

چاء کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے
جو چلا ہے تو ابھی اَور چلے اور چلے
چاء کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے

نہ ملے چاء تو خونابِ جگر کافی ہے
بزم میں دَور چلا ہے تو ابھی اَور چلے
چاء کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے

دیکھتے دیکھتے پنجاب کا نقشہ بدلا
آنکھوں آنکھوں میں زمانہ کے بدل طور چلے
چاء کا دَور چلے دور چلے دَور چلے

جاں کس انداز سے دی جاتی ہے راہِ حق میں
جسے کرنا ہو یہ نظارہ وہ لہور چلے
چاء کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے

جاں سے تنگ آئے ہُوؤں سے جیسے ٹکرانا ہو
اپنے انجام پہ کرتا وہ ذرا غور چلے
چار کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے

جبر پہ کرتے ہُوئے صبر بسوئے مقتل
خُوگرِ ظلم و جفا و ستم و جور چلے
چار کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے

مضطرب ہیں کہ شہادت کا ملے جلد ثواب
تیغ گردن پہ جو چلنی ہے تو فی الفور چلے
چار کا دَور چلے دَور چلے دَور چلے

رنگون ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

سُورج کی شرمیلی کرن

صحنِ چمنستاں میں صبا گھوم رہی ہے
مستانہ اداؤں سے گھٹا جھوم رہی ہے

چھپ جائے نہ بادل میں کہیں دیکھ کے مجھ کو
سُورج کی کرن سبزہ کا منہ چوم رہی ہے

جنگل میں نوا سنج ہیں ہر رنگ کی چڑیاں
فوج ان کی درختوں میں مچا دھوم رہی ہے

ہر قوم کو شامل ہے نوازش تری یا رب
کیوں اُمتِ مرحوم ہی محروم رہی ہے

رنگون میں جو کچھ مری ان آنکھوں نے دیکھا
تخییل مری کر اُسے منظوم رہی ہے

رنگون۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۶ء

بُلاوا

ضرور کیا کہ اُٹھاؤ مسیح کے احساں
تم اپنے درد کے جب آپ ہی مداوا ہو

نہ علم علم ہی کیا جو عمل سے ہو خالی
عمل عمل ہی نہیں اس میں گر دکھاوا ہو

وہ شہسوار ہزیمت کا نام کیا جانے
دیا سمندِ عزیمت کو جس نے کاوا ہو

ضرورت آج اُسی آتش فشاں پہاڑ کی ہے
اُگل رہا جو نئی زندگی کا لاوا ہو

ملائکہ کی قطاریں کمک کو آپہنچیں
اگر یہود پہ بطحائیوں کا دھاوا ہو

چڑھاؤ جا کے فلسطین کے مزاروں پہ
ہمارے خوں کا بھی منظور اگر چڑھاوا ہو

وہ چل کے جائیں نہ کیوں سر کے بل اور آنکھوں کے بل
شہید گنج نے بھیجا جنہیں بُلاوا ہو

یہ کہہ دو اُن سے کہ جو موت سے نہیں ڈرتے
تم اُن کو دے رہے کس بات کا ڈراوا ہو

بنا سکیں گے نہ کچھ اس کا مالوی جی بھی
ہزار سال سے بگڑا ہوا جو آوا ہو

وہ حوصلہ نہ ہو کیوں آسمان سے بھی بلند — مری مثال جسے دے رہی بڑھاوا ہو

جہاں ہے ایک بھی مسجد وہی وطن اپنا — دیارِ روس ہو یا سرزمینِ جاوا ہو

ہے آرزو یہی لے ڈیرے کے ہم غریبوں کی — اگر مدینہ ہو ملجا تو مکّہ ماوٰے ہو

جب ایک ہو گئی ملّت تو کیوں نہ اُس کے لئے — دریچہ رحمتِ پروردگار کا وا ہو

مری نظر مدنی ہی جُل اُس کو کیا دے گا — اطالوی ہو کہ المانوی چھلاوا ہو

کمی رہے نہ کسی نظم میں قوانی کی
مرا شریک جو یعقوب گورا باوا ہو

رنگون

۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

ایک تاجر کی عروسی

زمانہ قیام رنگون میں میری روشنیٔ طبع میرے حق میں ایک رنگین بلا ہوگئی جس شخص کی شادی ہوتی تھی مجھ سے سہرے کی فرمائش کرتا تھا جن گھرانوں میں عروسی کا جشن بپا ہوتا تھا میں التزاماً بلایا جاتا تھا اور وہاں پہنچتے ہی اصرار ہوتا تھا کہ اگر پہلے سے کوئی پھڑکتی ہوئی نظم نہیں لکھی تو اب ارتجالاً کہہ دی جائے۔ اسی قسم کا اصرار غلام محمد معلم صاحب برادر نذیری نے اپنے ایک عزیز غلام محی الدین صاحب کی شادی کے موقع پر کیا جو مرگوئی (برما) کے مشہور تاجر ہیں۔

اشعار ذیل اس اصرار کا خراج ہیں:۔

محی الدین سہرا باندھ کر لایا دُلہن گھر میں
بھرے گھر کو یہ اُس کی خانہ آبادی مبارک ہو

دُلہن ہے حُسن کی پتلی تو دُولہا عشق کا پُتلا
نظر والوں کو حُسن و عشق کی شادی مبارک ہو

نکاح اسلام کی دُنیا میں پیغمبرؐ کی سُنّت ہے
اُسے بھی یہ طریقہ جس نے بُنیادی مبارک ہو

ہے جُوئے شیر لانا شرطِ اول وصلِ شیریں کی
محی الدین کو یہ شغلِ فرہادی مبارک ہو

خدا وہ دن کرے دہلی سے مَیں بھیجوں پیام اُس کو
اُسے ہندوستاں کا جشنِ آزادی مبارک ہو

رنگون۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

مغرب کے کفن چور

مشرق میں غریبوں کی نہیں کوئی رہی گور　　سر پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں مغرب کے کفن چور

لکھتا ہوں فلسطیں کے شہیدوں کی کہانی　　آلودہ لہو سے ہیں مری انگلیوں کے پور

یہ خون ہی وہ ہے جس کی جھلکتی ہوئی سرخی　　ہے مایۂ رنگینیٔ افسانۂ بلفور

ہیں تیرہ و تاریک کلیسا کی فضائیں　　چھائی ہوئی ہے جس پہ گھٹا جنگ کی گھنگھور

غلطاں ہے اُدھر خاک میں جسمِ حبشستاں　　ہسپانیہ کی نعش اِدھر خوں میں شرابور

سُن سُن کے اتاترک کی تلوار کی جھنکار　　روما کا دبا شور تو برلن کی دبی کور

فسطائیوں اور نازیوں کی فتنہ گری سے　　چرچل ہیں سراسیمہ تو وحشت زدہ ہیں ہور

تارا ہوئی جاتی ہیں نصاریٰ کی پتنگیں　　یارب انہیں کیوں اتنی بڑھائی گئی ہے ڈور

ملتا ہے کسی کو نہ یہ ناری سے نہ زر سے

انصاف ملے گا اُسے حاصل ہو جسے زور

رنگون ۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

تازگیٔ ایمان کا سامان

خدا نے تم کو بخشی ہے اگر توفیقِ شنوائی
تو سن لو میری باتیں جن سے ایماں تازہ ہوتا ہے
ہمیشہ کے لئے ناقوس چپ ہو جائے کاشی کا
بلند اس گھر میں اب تکبیر کا آوازہ ہوتا ہے
نبیؐ کی یہ حویلی ہے نہیں ہے اونچ نیچ اس میں
کسی پر بند اس گھر کا نہیں دروازہ ہوتا ہے
ہوئیں ہند آشکارا آدمیت سوزیاں جس کی
پریشاں آج اُس تہذیب کا شیرازہ ہوتا ہے
یہ ہے قانونِ قدرت جو ستائیگا غریبوں کو
بھگتنا اُس کو اپنے ظلم کا خمیازہ ہوتا ہے

وہ گھوڑا بدلگامی جس کی دوبھر تھی اچھوتوں پر
مسلماں ہو کے دیکھیں گے کہ کیوں کرقانہ ہوتا ہے

رہے کیوں کارواں کے دل میں فکرِ دُوریِ منزل
کہ سرگرم سفر اسلام کا جمّازہ ہوتا ہے

شہادت دے رہے ہیں گوشِ استعمار کے پردے
کہ شور اسلامیوں کا رستخیز اندانہ ہوتا ہے

عروسِ سلطنت کے منہ پہ رونق جس سے آجائے
شہیدوں کے جمال افزا لہو کا غازہ ہوتا ہے

رنگون

۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

مدحِ صحابہؓ

سنا ہے ابرِ ستائش برس نہیں سکتا
حضور سرورِ عالمؐ کے ہم نشینوں پر

خدا کے عرش سے جو اُٹھ رہی ہیں پے در پے
بٹھا دئے گئے پہرے اُن آفرینوں پر

شہید گنج نے جن کو بچا کے رکھا تھا
وہ بل بھی پڑ گئے حُکّام کی جبینوں پر

اگر ہم اپنے بزرگوں کا نام ادب سے لیں
تو لوٹ جاتے ہیں کیوں سانپ اُن کے سینوں پر

دُعائیں ہم نے انہیں دیں وہ گالیاں سمجھے
مریں تو کیا مریں ان لکھنوی حسینوں پر

کشادہ ہوگئیں سب جن فرنگ کی راہیں
نظامِ عدل نصاریٰ کے نکتہ چینوں پر

ہُنر افتراق نوازی کے اس میں پنہاں ہیں
مری نظر ہے حکومت کی آستینوں پر

وفا شعار ہمارا روش جفا اُن کی
پڑے خدائی کی خاک اُن کے اِن قرینوں پر

یہ شیوہ ہند میں جن کا مداخلت فی الدین
مدارِ امن ہے اُن احمق الذینوں پر

ہر ایک ذرہ ہے جن کا اک آسمان نیا
مرے خیال کا قبضہ ہے اُن زمینوں پر

رنگون۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

اللہ کی قدرت

اللہ کی قدرت کا نشاں ہے مری قسمت
جس کی چمک انگریز کی سنگین سے نکلے

نکلیں گے مرے دل کے سب ارماں بھی اسی طرح
جس طرح یہود ارضِ فلسطین سے نکلے

وہ آگ میں ڈوبے ہوئے نالے ہیں قیامت
جن کی عربی لے عجمی بین سے نکلے

گم تھے نئی تہذیب کے فرسودہ قبالے
ڈھونڈا تو وہ پٹرول کے اک ٹین سے نکلے

مرزائیوں کے جہلِ مرکب کے سبھی ڈھنگ
اُن کے متنبّی کی "براہین" سے نکلے

اللہ کے شیروں سے یہ جنگل نہیں خالی
کچھ دن ہیں تمائیں سے کچھانسیں سے نکلے

جس میں ہے سہارا تو فقط گائے کی دُم کا
اچھا ہوا امید کر اُس دین سے نکلے

پنجاب میں الفاظ کی تہذیب کے آداب
نکلے تو مرے "قاف" اور "شین" سے نکلے

ہیں جس قدر انساں کی ترقی کے مراتب
پیغمبرِ اسلام کے آئین سے نکلے

رنگون - ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

قلم

جب نبیؐ کی نعت میں مصروف ہوتا ہے قلم
کیسے کیسے خوش نما موتی پروتا ہے قلم

مغفرت کی التجا کرتا ہے کاغذ کے سپرد
معصیت کے اگلے پچھلے داغ دھوتا ہے قلم

کم نہیں خارِ مغیلانِ عرب سے اس کی نوک
جس کو یورپ کے لف پا میں چبھوتا ہے قلم

اس کی ہر جنبش کا فریادی ہوا بابائے رزم
جس سے بیڑا اُس کا قلزم میں ڈبوتا ہے قلم

ہنسنے لگتے ہیں معانی کے خیابانوں کے پھول
ابرِ نیساں کی طرح جس وقت روتا ہے قلم

جن کی قسمت کے جگانے میں ہے صرف اس کا صریر
پاؤں پھیلا کر اب اُن کی طرح سوتا ہے قلم

راہِ حق میں سر کٹا کر بھی نہ چلنے سے رُکا
جاودانی زندگی کا بیج بوتا ہے قلم

رنگون - ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

سخن ہائے گفتنی

دیرینہ ہے فرنگ کی اسلام دشمنی — ہے پہلے دن کی اس سے ہماری کٹا چھنی

دُنیا کے سب یہود ہیں انگریز کے حلیف — دونوں کے ساتھ جنگ مسلمان کی ٹھنی

تہذیب نو کی جلوہ گری سے خدا بچائے — پھیلی ہوئی ہے جس کی فلسطین میں دشمنی

مشرق میں آ کے راہنمائی کریں گے کیا — خود اپنے گھر میں مشغلہ جن کا ہے رہزنی

آنکھیں دکھا رہا ہے مسلمان کو فرانس — جس کی نظر میں اہلِ مراقش ہیں کشتنی

غافل مگر ہے اس سے کہ اس کی بھی پشت پہ — بیٹھا ہوا ہے دشمنِ جاں اس کا جرمنی

ترکوں سے ایک بات میں ہم بھی نہیں ہیں کم — ہم بات کے دھنی ہیں وہ تلوار کے دھنی

ایراں کا تاجور ہے رضا شاہ پہلوی — اللہ نے دیا جسے زورِ تہمتنی

اس کی مساعدت کے لئے [illegible] ہوا — کابل کے تاجدار کا [illegible] ہمنی

ان پر ہے مستزاد نیستان نجد میں ابنِ سعود کی روشِ ضیغم افگنی
پیوست ہونے والی ہیں قلبِ صلیب میں اسلامیوں کے نیزہ کی جوشن گزارانی
مسجد سے گردوارہ کمیٹی کو کام کیا گھر میں خدا کے آگئیں کیوں برہمنی

آویزہ ہائے گوشِ نصیحت نیوش ہیں
دُر ہائے سُفتنی ہیں سخن ہائے گفتنی

رنگون

۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

نئی وضع کا سلام

لازم ہمارے گھر کو عروسیں نئی نئی
اور اُن کے گھر کا لازمہ شوہر کئی کئی

وُہ اُن پہ لوٹ رنگ ہی جن کا سفید فام
ہم اُن پہ مست جن کا سراپا ہے حبشی

اُن کو اُدھر یہ ضد ہی کہ آنکھیں ہوں نیلگوں
ہم کو اِدھر یہ کد کہ یہ جادو ہو سرمئی

مشرق کی بے زری سے یہ کہنا کہ چُپ رہے
معشوقۂ فرنگ کی منطق ہے نقرئی

تہذیبِ نو جب آئی تو خوفِ خدا گیا
اور ساتھ ساتھ شرمِ رسولؐ خدا گئی

جب کربلا کی خاک نے میلا کیا اِسے
پھر کیوں نہ لکھنؤ کا دوپٹہ ہوا گئی

صدہا سلام بھیج چکا اہلِ بیت پر
اب یہ سلام بھیج صحابہؓ پہ مجرئی

رنگون ۔۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

پنڈت جواہر لال نہرو

اور

سر فیروز شاہ سِٹھنا

لرزنے لگ گئی کونسل یہ سُن کے سٹھنا سے ۔۔۔ کہ فتنہ روس کا ہم کو تباہ کر دے گا

بنا رہا ہے قیامت اِسے جواہر لال ۔۔۔ سفید کو یہ ستمگر سیاہ کر دے گا

ملا رہا ہے ہمارا وقار مٹی میں ۔۔۔ ہم آج کوہ ہیں کل ہم کو کاہ کر دے گا

پھریں گے ملک میں سرمایہ دار ننگے سر ۔۔۔ جب اُس کا ہاتھ انہیں بے کلاہ کر دے گا

سکھا کے ڈھنگ مساوات کا غریبوں کو ۔۔۔ محال اُن سے ہمارا نباہ کر دے گا

جگا کے اُن کو جو سوتے ہیں مفلسی کی نیند ۔۔۔ کشادہ دستِ درازی کی راہ کر دے گا

بنا کے اپنی طرح سوشلسٹ ان سب کو ۔۔۔ گنہگار کو بھی بے گناہ کر دے گا

نظامِ کہنہ بدل کر حوالۂ مزدور یہ بارگاہِ فلک اشتباہ کر دے گا

زباں تک آتے ہوئے اب جو ہچکچاتا ہے وہ اُس مطالبہ کو بے پناہ کر دے گا

اگر ابھی سے نہ روکا اُسے حکومت نے تو کانگرس کو وہ انجم سپاہ کر دے گا

یہ بحث ہے کہ کوئی فاقہ کش بھرے گا آہ تو کوئی پیٹ بھرا واہ واہ کر دے گا

مگر وہ فیصلہ جس سے ہوں مطمئن یہ فریق زمانہ دونوں کے پیشِ نگاہ کر دے گا

اگر معلّمِ افراط ہیں جواہر لال تو آپ ہی وہ انہیں انتباہ کر دے گا

اگر ہیں رام سرن داس مائلِ تفریط تو اعتدال کی پیدا وہ راہ کر دے گا

خدا کے فضل و کرم کو اگر ہوا منظور
تو ہر گدا کو وہ فیروز شاہ کر دے گا

رنگون۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء

شیر برطانیہ سے عرب کا خطاب

تمہارے دل سے شاید نقش اُن کا مٹ چکا ہو گا
ہمیں وہ دن نہیں بھولے ہیں جب ہم تم پہ مرتے تھے
بہاتے تھے تمہاری راہ میں ہم خون مسلماں کا
اور اس خوں سے تمہاری مشکِ استعمار بھرتے تھے
تمہارے چاہنے والے قطار اندر قطار آکر
تصدق تم پہ ہوتے تھے جدھر سے تم گزرتے تھے
ہماری ہی خود افشانی کی ساری یہ کرامت تھی
کہ دُنیا کے ہیں جتنے تاجور سب تم سے ڈرتے تھے
تمہارے ڈر سے پیلا رنگ پڑتا تھا حریفوں کا
خزاں کے زرد پتوں کی طرح گر کر بکھرتے تھے

دبک جاتے تھے روس اور جرمنی مانند گیدڑ کے
جب اُن کے جنگلوں میں شیر لندن کے بپھرتے تھے
لگا دیتے تھے پٹخے اک داؤں میں سب پہلوانوں کی
کسی دنگل میں جب لنگوٹ کس کر تم اُترتے تھے
ہمیں جب پاؤں میں روندا تو خود تم بھی گئے روندے
گئے وہ دن کہ جب تم اینٹھتے تھے اور برتے تھے
فلسطیں میں مٹا کر ہم کو آخر تم نے کیا پایا
"اسی باعث تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر"

رنگون - ۲ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

انتظار

پھرتا ہی مری آنکھ میں قسمت کا نیا پھیر　　شیروں کو نیستاں میں شغالوں نے لیا گھیر
نگری اگر اندھی ہی تو راجہ بھی ہے اندھا　　بھاجی بھی ٹکے سیر ہی کھاجا بھی ٹکے سیر
چھینے ہیں یہودی نے مسیحی کی مدد سے　　دولت کے لگا رکھے تھے اسلام نے جو ڈھیر
کب ہوگی نمودار خدایا سحر اُس کی　　جس رات نے ڈالا ہی فلسطین میں اندھیر

ہم سے ترا وعدہ ہی کہ ہی خوف کے بعد امن
یارب ترے اس وعدے کے ایفا میں ہی کیا دیر

رنگون ۴۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

شہید گنج کا مقام

عرش آشیاں ہو رفعتِ بامِ شہید گنج
کس درجہ ہے بلند مقامِ شہید گنج

گر عمر و زر بکف ہے تو ہو زید سر بکف
گھر گھر پہنچ چکا ہے پیامِ شہید گنج

انساں کی طرح جن و ملک کی زباں پہ ہے
گونجا ہے کائنات میں نامِ شہید گنج

اس میں نہیں تمیز بریلی و دیوبند
پہنچی ہے سب کو دعوتِ عامِ شہید گنج

جس نے پیا اسے وہ ہوا زندۂ ابد
کوثر صفت ہے بادۂ جامِ شہید گنج

گلرنگ جس سے بدر کا میدان ہو گیا
تلچھٹ ہے اُس لہو کی قوامِ شہید گنج

اللہ کی رضا میں جنہوں نے کٹائے سر
ہر صبح و شام اُن پہ سلامِ شہید گنج

اسلامیانِ ہند کی تنظیم ہو گئی
قائم ہوا ہے جب سے نظامِ شہید گنج

برما کے عارفوں سے یہ جا کر کہے کوئی
خوشتر ہے صبحِ کعبہ سے شامِ شہید گنج

کابل سے چل کے تا بہ کہستانِ ہمیو
سب ہیں اسیرِ حلقۂ دامِ شہید گنج

میرا کلام زندۂ جاوید کیوں نہ ہو
ہے موجبِ بقائے دوامِ شہید گنج

رنگون
۴۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

جنونِ عرب

ہاں اے عرب کے جوش میں ڈوبے ہوئے جنوں
اُٹھ اور عجم کی عقل کی بستی اُجاڑ دے

منکر کے اعتبار کا سامان جمع کر
صحرا کا سینہ چیر سمندر کو پھاڑ دے

نجد و حجاز و شام کی قوت سمیٹ کر
یورپ کے پہلوان کا لنگر اُکھاڑ دے

عبرانیوں کو ایک رگڑ میں رگید ڈال
نصرانیوں کو ایک پکڑ میں پچھاڑ دے

تہذیبِ نو کے منہ پہ وہ تھپڑ رسید کر
جو اس حرامزادی کا حُلیہ بگاڑ دے

پرچم جہاں بلند ہے عیسیٰؑ کا آج کل
جھنڈا وہاں جلالِ محمدؐ کا گاڑ دے

رنگون - ۲۰ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

احمد گُل

چمن کے صحن میں پڑتی تھی ننھی ننھی پھوار — غبارِ جس سے گیا سارے سبزہ زار کا دُھل
کھلے ہوئے تھے چمن میں ہزار رنگ کے پھول — چھپی ہوئی تھی درختوں کے جھنڈ میں بُلبل
ہر ایک پتہ پہ ہوتا تھا ارغنوں کا گماں — ہر ایک شاخ سے اُٹھتا تھا نوبہار کا غُل

یہ شور کون مچاتا ہے؟ پھول نے پوچھا
دیا جواب یہ بُلبل نے ہنس کے، احمد گُل[1]

رنگون ۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

---

[1] حاجی بلادردین صاحب تاجر میوہ رنگون کا چھوٹا صاحبزادہ جس کی عمر ۹ سال کے قریب ہے،

طوبیٰ للغربا

غریبوں کو خدا رکھے سلامت | سلامت اور وہ بھی باکرامت
رئیسوں سے خدا محفوظ رکھے | جو کرتے تھے غریبوں کی حجامت
جسے خاکِ فلسطیں نے اٹھایا | وہ فتنہ بننے والا ہے قیامت
نہیں آتی جنہیں روٹی کمانی | وہ کر لیتے ہیں مسجد کی امامت
پہنچتا تھا مجھے حق سرزنش کا | وہ اُلٹی مجھ کو کرتے ہیں ملامت
مرے اعمال کی صورت ہیں انگریز | جبھی تو آگئی ہے میری شامت
زباں جنت ہو اور دل ہے جہنم | منافق کی ہے یہ دُہری علامت
مسلماں ہو گیا گاندھی کا بیٹا! | اُسے اللہ بخشے استقامت

تری تہذیب نو دن میری سو دن
مبارک ہو مجھے اس کی قدامت

رنگون - ۵ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

خلیجِ بنگال

بنگالہ کی خلیج کی پہنائیوں میں ہُوں
ساحل کی دُوریوں کے تماشائیوں میں ہُوں

اُوپر بھی آسمان ہے نیچے بھی آسماں
دونوں کے انقلاب کی گیرائیوں میں ہُوں

حُسنِ ازل کا پردہ کشا ہے مرا خیال
مَیں بھی شریک اُس کی خود آرائیوں میں ہُوں

ہے بحر و بر میں سکّہ رواں جس کے نام کا
اُس کالی کملی والے کے شیدائیوں میں ہُوں

ڈوبا ہُوا الست کے عہدِ سعید سے
اپنے خدا کے رنگ کی گہرائیوں میں ہُوں

اس سے بڑی ہے میرے شرف و مجد کی دلیل
کیا اور ہو سکے گی کہ بطحائیوں میں ہُوں

جلوے مری نگہ میں ہیں خیر القرون کے
اُس قرنِ دل کشا کے تمنائیوں میں ہُوں

اسلام کی گرفت ہے فولاد کی گرفت
جکڑا ہُوا میں اس کی توانائیوں میں ہُوں

کشتی کو موجِ بحر کی آویزشوں سے کام
مَیں محو اپنی قافیہ پیمائیوں میں ہُوں

عرشہ جہاز تلما خلیج بنگال

۷۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

چوریاں

۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو جب مَیں رنگون سے مراجعت لاہور کی طیاریوں میں مصروف تھا میرا فاؤنٹین پن چوری ہو گیا لیکن دن کے تین بجے رنگون پولیس کے ایک ملازم شبیر احمد خاں صاحب ہزاروی نے مجھے اطلاع دی کہ چور پکڑا لیا گیا چنانچہ مَیں نے پولیس میں جا کر بیان دیا اور قلم ضابطہ کی کارروائی کے بعد مجھے لاہور پہنچا دیا جائے گا۔ اس پر بسبیل ارتجال ذیل کے دو اشعار زبان سے نکلے۔

دیکھے ہیں بہت چور مگر ایسے ہیں کم چور ۔۔۔ جو لکھ نہیں سکتے ہیں اور اس پہ ہیں قلم چور
محروم قلم کش کو کرے حقّہ کشی سے ۔۔۔ ہو جائے نہ پیدا کہیں یا رب وہ چلم چور

کلکتہ پہنچ کر ان پر اشعار ذیل مستزاد ہو گئے :۔

پٹنہ کی عدالت میں ہوا جس کا دھماکا ۔۔۔ لائے تھے مہادیو کی بیٹھک سے وہ بم چور
جس بت پہ اچھوتوں نے لگا رکھی تھی مانی ۔۔۔ اُس کو بھی اُڑا لے گئے کاشی کے صنم چور
لاش اُس کی گھسیٹیں گے فلسطین کے بدو ۔۔۔ توڑیں گے جب اسلام کی دہلیز پہ دم چور
جس کے لئے آئے وہ کفن ہاتھ نہ آیا ۔۔۔ بیٹھے ہوئے کھائیں گے جنیوا میں یہ غم چور

چور آپ بھی اور ہم بھی مگر فرق ہے اتنا
اللہ کے چور آپ ہیں انگریز کے ہم چور

کلکتہ
۹۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مقناطیس و آہن

یہ مقناطیس کی دعوت تھی آہن کیسے رد کرتا
مَیں کلکتہ سے رخصت ہو کے سیدھا کانپور آیا

نظر آئے رضاکارانِ نیلی پوش صف در صف
مرے دل میں سرور اترا مری آنکھوں میں نور آیا

سُنائی داستاں لاہور اور اُس کے شہیدوں کی
تو میری پیشوائی کے لئے شورِ نشور آیا

سبیہ مستی کی دیتا ہوں صلا رندانِ مشرق کو
خمستانِ عرب کے نشہ میں ہو کر میں چُور آیا

کیا افسانہ دُنیا کا سپردِ خامہ جب مَیں نے
تو افسونِ دینِ قیّم کا نظر بین السطور آیا

مسلمانوں کی جمعیت سے ٹکرانا نہیں آساں
وہ ٹکرائیں تو سمجھو اُن کی عقلوں میں فتور آیا

خدا کی حمد، پیغمبرؐ کی مدح، اسلام کے قصے
مرے مضموں ہیں جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

کانپور - ۱۳ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

تخت یا تختہ

ڈر جاتے ہیں ایک ہی بھبکی سے دیتے ہی پیامِ آزادی کا
مر جاتے ہیں ایک ہی دھمکی میں اور لیتے ہیں نامِ آزادی کا
سودائے شہادت سر میں نہیں اللہ کی ہیبت دل میں نہیں
پھر کہتے ہیں قائم ہو نہ سکا دُنیا میں نظامِ آزادی کا
اقبال وہاں ادبار یہاں تلوار اُدھر تقریر اِدھر
پڑھتے ہیں سبق انگریزوں سے کونسل میں غلامِ آزادی کا
اے معتکفانِ کنجِ حرم ملت کو ہے تم سے شکوہ یہی
بیٹھے ہوئے کرتے ہو حجروں میں تم کام تمام آزادی کا
تم کہتے ہو کالانعام جنہیں کچھ کر کے وُہی دکھلاتے ہیں
سر ہاتھ میں لے کر مسئلہ حل کرتے ہیں عوام آزادی کا

پہلو میں ہو دل، دل میں ہو یقیں، سر پہ ہو کفن، کف میں ہو سناں

جب جمع یہ اجزا ہوتے ہیں بنتا ہے قوام آزادی کا

انگورہ سے لے کر کابل تک مخلوقِ خدا آزاد ہوئی

دہلی کی خطا کیا ہے کہ یہاں چھلکا نہیں جام آزادی کا

گاندھی کی نظر یثرب کی طرف اُٹھ جاتی تو خیر اک بات بھی تھی

یہ کیا ہے کہ سمجھے بیٹھے ہیں وردھا کو مقام آزادی کا

تاریخ وطن کی جانب سے پیغام کوئی انگریز کو دے

آتا ہوا تم بھی دیکھو گے سُورج لبِ بام آزادی کا

دُنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے

یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

کرم آباد

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

کنجاہ

مجلس مرکزیہ احرار ہند نے جو تحریک شہید گنج کو فنا کرنے کی غرض سے مجھ پر اور میرے رفقا پر نت نئی تہمتیں لگانے کے فن میں ید طولیٰ رکھتی ہے اور اُسے اپنی شریعت مطہرہ کا مقدس ترین فرض سمجھتی ہے اپنے ایک رکن سراج الدین المتخلص بہ سراج کنجاہی سے یہ تاریخی الزام تراشوایا تھا کہ ظفر علی خاں جس کے پیٹ میں رہ رہ کر شہید گنج کی بربادی کا مروڑ اُٹھتا ہے دینِ مبین کا در اصل سب سے بڑا دشمن واقع ہوا ہے کیونکہ اس ظالم نے اپنے گاؤں کرم آباد کی مسجد ڈھا کر اُس کے ملبہ سے اپنی کوٹھی تعمیر کر لی۔ اس الزام کا جو حشر مسلمانوں کی قومی عدالت میں ہوا وہ عالم آشکارا ہے۔ ایک اسلامی کمیشن نے کرم آباد پہنچ کر اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھ کر اور شہادتیں لے کر فیصلہ کیا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ مَیں اُن دنوں رنگون میں تھا اور مجھے اس فیصلہ کی اطلاع بذریعہ تار دی گئی جس پر بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ

کرم آباد کی مسجد سے ندا آتی ہے
ہو گیا مجلسِ احرار کے ارمان کا خون

رنگون سے واپس آنے پر مجھے مسلمانانِ کنجاہ کی طرف سے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی اور مَیں مجلس اتحادِ ملت کے چیدہ چیدہ ارکان کے ساتھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو کنجاہ پہنچا۔ بڑا لطف یہ ہوا

کہ مجھے اور میرے رفقا کو دعوت طعام جن بزرگ نے دی وہ خود سراج کنجاہی تھے جو کرم آباد والے واقعہ سے متاثر ہو کر احرار سے اپنا تعلق قطع کر چکے ہیں کھانے کے بعد صاحب ذوق نوجوانوں کی طرف سے فرمائش ہوئی کہ کنجاہ پر جسے غنیمتؔ کی شاعری نے زندۂ جاوید کر دیا ہے کچھ اشعار ہونے چاہئیں۔ چنانچہ بیٹھے بیٹھے چند اشعار موزوں ہو گئے جو نذر ناظرین ہیں:۔

یہ حسن و عشق کا گھر ہے اسے کنجاہ کہتے ہیں
مرے ہر جرم کا آ کر یہاں کفارہ ہوتا ہے

زہے قسمت بچا لے جاؤں گر میں آبرو اپنی
کہ ہے جو آبرو والا یہاں آوارہ ہوتا ہے

غنیمتؔ کی لحد ہو اب بھی سوز و ساز کی محفل
کہ اس کی خاک کا ہر ذرہ آتش پارہ ہوتا ہے

مرا بھی ایک شاہد ہے علی گڑھ نام ہے جس کا
مرا دل اس کی چشم مست کا گہوارہ ہوتا ہے

کہا کنجاہ کی کڑوی چلم نے باتوں باتوں میں
کہ تمباکو یہاں کا عقرب جرارہ ہوتا ہے

مسلماں بھی خدا رکھتا ہے پھر یہ ماجرا کیا ہے
ہدف سارے مصائب کا یہی بیچارہ ہوتا ہے

ابد تک جو بجے گا طبل ہے وہ ہم غریبوں کا
جو پھٹ جاتا ہے وہ احرار کا نقارہ ہوتا ہے

جو ہیں گردوں کے سیارے وہ اب گرنے ہی والے ہیں
بلند اسلام کا پنجاب میں طیارہ ہوتا ہے

کہاں تک شعر کہتا جاؤں آخر کوئی حد بھی ہو
کہ جلوے میں مزا ہوتا ہے اور یکبارہ ہوتا ہے

کنجاہ۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

آج کل کے میاں بیوی

تصویر کا ایک رُخ

اِس کو زرگر سے جڑاؤ نتھ کے بنوانے کی فکر
اُس کو بازاروں میں پھر کر ناک کٹوانے کی فکر

اِس کی یہ خواہش کہ گھر کی آبرو ضائع نہ ہو
اُس کو قیدِ پردہ سے آزاد ہو جانے کی فکر

اِس کو بچوں کا تماشا دیکھنے کی آرزو
اُس کو سنیما جا کے جی ہر رات بہلانے کی فکر

اِس کی یہ کوشش کہ گھر میں چار پیسے جمع ہوں
اُس کو گھر رکھ کر گرو آئینے اور شانے کی فکر

اِس کو محنت کر کے دو آنے کمانے کا خیال
اُس کو آٹھ آنے کی فرمائش کے دُہرانے کی فکر

اِس کو گاڑھے ہی کے تہمد میں مگن رہنے کی دُھن
اُس کو ریشم اور لونڈر میں سما جانے کی فکر

تصویر کا دوسرا رُخ

اِس کی شرمیلی نگاہیں غیر سے نا آشنا
اُس کو ہر شب اک نئے شاہد کے گھر لانے کی فکر

اِس کے دل کی ہر تمنّا ہند کے زنداں میں بند
اُس کو پیرس اور لندن جا کے ناچ آنے کی فکر

اِس کو یا چرخہ سے یا چکّی سے یا چولھے سے کام
اُس کو یا ٹاکی کے یا ہاکی کے گُن گانے کی فکر

اِس کو آپ اپنی پھٹی ساڑی کے سینے سے غرض
اُس کو رینکن سے ڈنر کا سُوٹ سلوانے کی فکر

اِس کو ناموسِ شریعت اپنی جاں سے بھی عزیز
اُس کو اِس قانونِ ربّانی کے ٹھکرانے کی فکر

۲۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مسلمانانِ امرتسر

۲۹۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کی صبح کو مَیں جامعۂ اسلامیہ امرت سر کے معاینہ کے لئے گیا۔ مولوی محمد عمر صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول کے صاحبزادے عزیز نصر اللہ خاں نے جامعہ کے ایک قرطاس پر فرمائش لکھ رکھی تھی کہ اس کاغذ پر کچھ اشعار فی البدیہہ درج کر دئے جائیں مَیں نے قلم اُٹھا کر یہ شعر لکھ دیا:۔

کس آسانی سے آجاتے ہیں نصر اللہ کے دم میں
بڑے ہی بھولے بھالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

اس پر اشعار ذیل اُسی وقت مستزاد ہو گئے:۔

ڈریں گے کیا کسی فرعون ہیبا ماں کی دھمکی سے — خدا سے ڈرنے والے ہیں مسلمانانِ امرتسر

وُہی ہے رنگ اُن کا خود خدا کو بھی جو پیارا ہے — نہ گورے ہیں نہ کالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

نہیں لاحول سے ماحول بہتر کوئی ہو سکتا — اور اس کے ہی حوالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

نہ ہو مغرب کے استعمار کی تدبیر کیوں اُلٹی — مقدر کے جب آلے ہیں مسلمانانِ امرتسر

شہادت کی قبائے ارغوانی دی گئی ان کو ۔۔۔ لہکنے والے لالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

خدا جس خانداں کی آبرو کا خود محافظ ہے ۔۔۔ اُسی کے لاڈلے بالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

ترنم[1] چاند ہو اس شہر میں علم اور حکمت کا ۔۔۔ درخشاں اس کے ہالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

قطار اندر قطار اسلام کا لشکر گزرتا ہے ۔۔۔ اور اس کے ہی رسالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

ہرا جس ابرِ رحمت نے کیا بطحا کی کھیتی کو
اُسی بادل کے جھالے ہیں مسلمانانِ امرتسر

امرتسر - ۲۹ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

---

[1] مولانا غلام محمد ترنم پرنسپل جامعہ اسلامیہ امرتسر

احمد آباد کے مزدوروں کو گاندھی کا حکیمانہ مشورہ

یہ گاندھی جی نے مزدوروں کے اک جلسہ میں فرمایا
کہ ہے بے سُود اُلجھنا آج کل سرمایہ داروں سے

تمہیں محنت کی جو اُجرت وہ دیں کرلو قبول اُس کو
کہ آدھا پیٹ بھر کر پھر بھی اچھے ہو ہزاروں سے

کروگے بائیکاٹ اُن کا تو کیا ہاتھ آئے گا تم کو
بجز اس کے کہ کھاؤ گولیاں ان کے اشاروں سے

مجھے دیکھو کہ انگریزوں سے کٹ کر میں نے کیا پایا
تعاون ہی مناسب تھا حکومت کے اداروں سے

موالانی بنایا مجھ کو میری تلخ کامی نے
بمجبوری ملوں گا اپنے ان پروردگاروں سے

لاہور - ۵ - نومبر ۱۹۳۶ء

سیاسیات کا دنگل

دفترِ پنجاب ہے جنگل سیاسیات کا
بن گیا میرا قلم منگل سیاسیات کا

پہلواں اور اُن کے پٹھے آ گئے خم ٹھونک کے
دیدنی ہے آج کل دنگل سیاسیات کا

گالیاں دے جھوٹ بول احرار کی ٹولی میں مل
نکتہ یوں ہی ہو سکے گا حل سیاسیات کا

پہلے ہی دن سے ہیں جب دیدے بخاری کے پٹم
مانگنے پھرتے ہیں کیوں کاجل سیاسیات کا

خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر
کیوں نہ کہئے اس کو "باباٹل" سیاسیات کا

کیا تماشا ہے کہ زلفِ شرع کی مشاطگی
کر رہا ہے آج دستِ شل سیاسیات کا

ہے بہت آسان کھانا سینہ پر گیتی کی ضرب
ہے بہت مشکل چلانا ہل سیاسیات کا

دیکھ لے مظہر علی اظہر کو افضل حق کے ساتھ
ایک پدی دوسرا اچھاپل سیاسیات کا

مجلسِ احرار کے نیفے کی رونق بن گیا
ایک پسو دوسرا کھٹمل سیاسیات کا

دخل معقولات میں دیتا ہے کیوں "بُڈ مولوی"
عقدہ کیا کھولے گا یہ ڈھیل سیاسیات کا

ڈاکٹر کچلو زبر ہیں اور حسام الدین ہیں زبر　　یہ دمن اس عہد کی وہ نل سیاسیات کا
جل گئے مکہ میں بھٹے مولوی داؤد کے　　حد سے بڑھ کر گرم تھا بھوبل سیاسیات کا
"انڈیپنڈنٹ" آخر ہی جائے گا یاروں کے کام　　ہمدمو گھوڑا ہے یہ کوتل سیاسیات کا
عورتوں نے بھی کیا کونسل کا رُخ مردوں کی طرح
آئی ہیں تھامے ہوئے آنچل سیاسیات کا

لاہور

۱۶۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

بُت خانۂ احرار

احرار کے بُت خانہ سے مظہر کو بُلا لا
منظور بنانا ہو جو مسجد کو شوالا

مرزائیوں کے حق میں قیامت ہی بٹالہ
کافر کا جنازہ اسی بستی نے نکالا

ہر بچّہ بٹالہ کا ہے اک مردِ مجاہد
جو سُوئی یہاں کی ہو وہ بن جاتی ہو بھالا

ملتی ہیں بچارے کو شکستوں پہ شکستیں
اسلام سے پڑتا ہے جہاں کفر کو پالا

لالہ سے یہ کہہ دو کہ مسلماں سے نہ اُلجھے
معبودِ مسلماں کا ہے اللہ تعالیٰ

اسلام کی دولت کے کرشموں پہ نظر کر
آتے ہی اچھوتوں کا ہُوا رُتبہ دوبالا

سرکارِ مدینہؐ سے ملا مجھ کو بھی کمبل
سکھوں نے بخاری کو جو بخشا ہو دوشالا

زندہ رہے پائندہ رہے نورِ محمد
اسلام کا نام اُس نے بٹالہ میں اُچھالا

بٹالہ ۔۔ ۲۰ ۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

مسجد فروش

سراپا ڈھل کے نکلا ہے مرا بطحا کے سانچے میں — مرا مسلک براہیمی، مری فطرت حجازی ہے

زمیں سے آسماں تک میری دارائی کے چرچے ہیں — مرا سارا سر و ساماں خدا کی کارسازی ہے

میں رنگ و نسل کی لعنت کا پہلے دن سے دشمن ہوں — مسلماں زادہ ہوں میری یہ شانِ امتیازی ہے

مری کوتاہیوں کا طعنہ گھر رکھ لیں وطن والے — کہ قائم رہنے والی میرے رشتہ کی درازی ہے

نہیں قائل ہوا میں آج تک اُن کی شریعت کا — خدا جن کا بروزی ہے نبی جن کا برازی ہے

خدا شرمائے مسجد بیچنے والوں کی ٹولی کو — لگائی جس نے کونسل کے لئے سر دھڑ کی بازی ہے

بھرم کھولا "مچھندر مولوی" کا خاکساروں نے
کہ اس مسجد شکن کا کام ہی شاہد نوازی ہے

لاہور - ۲۶ - دسمبر ۱۹۳۶ء

احراریات

صدرِ مجلسِ احرار:-

دو غم ہیں جہاں میں غمِ دُزد و غمِ کالا
دونوں کا جنازہ مری غربت نے نکالا

خواہش ہے یہ لالہ کی جپوں لالہ کی مالا
مالا کا ہر اک دانہ ہو پھر لولوءِ لالا

مَیں صدر ہوں احرار کا ممدوح مرا ہے
اک پیسہ بھی جس نے مرے کشکول میں ڈالا

جنرل سکرٹری مجلسِ احرار:-

کونسل کی الکشن کی بلا ہو گئی نازل
ٹوٹا ہے مرے سر پہ مصیبت کا ہمالا

دہ پانسو مندر مری فہرست میں ہیں درج
اسلامیوں نے جن سے ہر اک بُت کو نکالا

گھنٹہ نہیں بجتا ہے مہادیو کا اُن میں
اُن سب میں ہمیشہ کے لئے پڑ گیا تالا

امیرِ شریعت احرار:-

اک طفل پری رو کی شریعت فگنی نے
کل رات نکالا مرے تقوے کا دوالا

مَیں دین کا پُتلا ہوں وہ دُنیا کی ہے مورت
اُس شوخ کے نخرے میں مرا گرم مسالا

لاہور - ۲۶ - دسمبر ۱۹۳۶ء

احرار کی ٹولی

پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لئے حلقۂ گڑھ شنکر کی طرف سے دو امیدوار تھے۔ چودھری افضل حق رکن رکین مجلس احرار اور رانا نصر اللہ خاں ہریانوی بی۔ اے جن کی پشت پر مجلس اتحاد ملت کی تائید تھی۔ چودھری افضل حق کو اپنے حریف کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی جس کی تصویر اشعار ذیل میں کھینچی گئی:-

جاء نصر اللہ کی ہریانہ سے آئی صدا	رنگ افضل حق کا سنتے ہی جیسے فق ہو گیا
گر پڑے غش کھا کے مولانا عطاء اللہ شاہ	اور کلیجہ مولوی داؤد کا شق ہو گیا
راہ چلتے چلتے گڑھ شنکر کی ٹمٹم رک گئی	جو چلا تا تھا اسے لنگڑا وہ ابلق ہو گیا
مولوی مظہر علی اظہر کی رسوائی کا داغ	اُن کی مجلس کے سیہ خانے کی رونق ہو گیا
اُس طرف مندر کا شور اور اِس طرف مسجد کا زور	بیچ میں مظہر علی اظہر معلّق ہو گیا

پوچھتے ہیں سر سکندر مجلسِ احرار سے
کیوں وزارت کا تمنائی یہ احمق ہو گیا

ذاکرِ احرار کا مشہور ناقوسی "سلام"
مالوی جی کے صنم خانہ کی رونق ہو گیا

کون دے گا ووٹ بیچارے حسام الدین کو
کچلو امرت سر میں جب مختارِ مطلق ہو گیا

جا ملے کیا سوچ کر احرار سے مُلا غوث
سارسوں میں کس لئے شامل لقلق ہو گیا

صدرِ احرار آ گئے لے کر لفنگوں کے پرے
لشکرِ اشرار سے جنگ آزما حق ہو گیا

شاعری میں بذلہ سنجی ہے مرا اندازِ خاص
زندہ میرے نام سے نامِ فرزدق ہو گیا

لاہور۔ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

مولانا عبدالقادر قصوری کی پوتی کی عروسی

بسا رہی ہے جو عبدالحمید کے گھر کو
مَیں اُس عروس کا سارا سنگار لایا ہُوں

وہ نور جس کی ضرورت تھی اس کی افشاں کو
سوادِ چرخِ بریں سے اُتار لایا ہُوں

بہشتِ عدن کی مالن سے آپ ہی نِبڈ ہو اکر
مَیں رنگ رنگ کے پھولوں کا ہار لایا ہُوں

نصیب جن کا برسنا ہے اُس کی ڈولی پہ
وہ سلکِ گوہرِ قلزم نثار لایا ہُوں

ہے نو عروس کو حاجت نئے اُبٹنے کی
مَیں غازۂ رُخِ فصلِ بہار لایا ہُوں

نیاز و ناز کی محفل کی گرمیوں کے لئے
مَیں حسن و عشق کے جذبے اُبھار لایا ہُوں

براتیوں کو ضرورت رہے نہ پنکھے کی
نسیمِ رحمتِ پروردگار لایا ہُوں

مَیں دل کے گوشہ سے دولھا کے اور دُلہن کے لئے
دُعائیں لایا ہُوں اور بے شمار لایا ہُوں

نرالی وضع کا سہرا رقم کیا مَیں نے
سخنوری کا نیا شاہکار لایا ہُوں!

قصور۔ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

نقش ہائے رنگ رنگ

تُو نے گاندھی کی لنگوٹی کی جہاں رکھ لی ہے شرم
میرے تہمد کو بھی یارب فتح دے پتلون پر

نامۂ اسلام کی سُرخی ہے قربانی مری
سب سے پہلا حق ہے آزادی کا میرے خون پر

جب زبان "نارنگ" کی چلتی ہے قینچی کی طرح
پھر سکوتِ مرگ طاری ہو گیا کیوں "نون" پر

وہ رنگیلا فلسفہ عریاں ہوا پنجاب میں
جس کی راہیں بند تھیں یوناں میں افلاطون پر

ریک چُکیں گی جب بہشتی مقبرے کی ہڈیاں
ٹیکس لگ جائے گا میش قادیاں کی اُون پر

عرش کے قدوسیوں نے چُوم لی اُس کی زباں
جب قلم نقاش کا اُٹھا کسی مضمون پر

لاہور یکم جنوری ۱۹۳۷ء

لبرل اندر سبھا

لبرل جو دکھاتے چلے آئے ہیں ازل سے
بازارِ تملق میں تماشا گزری کا

کرتے ہیں یہ دعویٰ کہ موالات ہی ماحول
حکمت کی جہات عملی و نظری کا

آزادیٔ کامل نہ کبھی ہو گی میسّر
گر ہم کو سلیقہ نہیں دریوزہ گری کا

میعاد غلامی کے بڑھانے کے سوا کیا
انجام ہے احرار کی شوریدہ سری کا

انگریز کی دہلیز پہ رکھ دیتے اگر سر
آتا اُنہیں اس میں بھی مزہ تاجوری کا

برطانیہ گلفام ہے اور سبز پری ہند
گلفام سے کیوں عقد نہ ہو سبز پری کا

سر تیج بہادر یہی فرماتے ہیں ارشاد
اور صاد ہے اس فلسفہ پہ شاستری کا

۱۴ جنوری ۱۹۳۷ء

جھجّر

ملنے والی ہے کوئی دم میں حریفوں کو شکست
فتح اسلام کے بیٹوں کی قریب آئی ہے
"شرطِ اسلام ہے ورزشِ ایماں بالغیب"
غائبانہ مری جھجّر سے شناسائی ہے
نہیں ممکن کہ غلامی پہ کبھی قانع ہو
کہ مسلماں کو ملی مسند دارائی ہے
خدمتِ ملّتِ بیضا پہ میں کٹ مرتا ہوں
گرچہ ہندی ہوں طریقہ مرا بطحائی ہے
میں بھی ہوں شیوۂ تسلیم و رضا پر قائم
اگر انگریز کا مسلک ستم آرائی ہے

جھجّر ۔ ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء

ملک برکت علی

اور

مجلسِ احرار

اگر سرکار مرشد تھی تو احراری ولی نکلے — اور اُن کی گوشمالی کو ملک برکت علی نکلے
الکشن سر پہ آیا، کامیابی اس کو کہتے ہیں — کہ ہر تقریر آزادی کے سانچے میں ڈھلی نکلے
دُعائیں مانگتی ہے رات دن احرار کی ٹولی — کہ جس کوچے سے ہم نکلیں تفنگوں کی گلی نکلے
سُنا دے جا کے انگریزوں کو سچی بات کونسل میں
خدایا ہم میں بھی ٹولی اک ایسی منچلی نکلے

۱۹ جنوری ۱۹۳۷ء

ٹین فروش اور دین فروش

مولانا مظہر علی اظہر

ہم ہیں احرار نہیں ہم سے اُلجھنا اچھّا
تیری اوقات ہی کیا ہے ابے او ٹین فروش

کامریڈ محمد حسین ٹین ساز

میں نے مسجد نہیں بیچی کبھی تیری مانند
ابے او چندہ کے بھوکے ابے او دین فروش

۲۶ - جنوری ۱۹۳۷ء

گجرات کی انتخابی جنگ

آرائشِ اسلام ہیں گجرات کے قصاب
ان پر ہے جسے ناز وہ ہے خطۂ پنجاب

مر مٹتے ہیں یہ نامِ رسُولِ عربی پر
اس نام کی توہین کی لاتے یہ نہیں تاب

گجرات میں کچھ اور بھی ہیں مردِ مجاہد
ہیں بے عدد اس شہر میں اللہ کے احزاب

دیتے ہیں مساجد پہ جو بُتخانہ کو ترجیح
مَیں اُن کو سکھاؤں گا شریعت کے آداب

احرار کو چندہ کے سوا کچھ بھی نہ سُوجھا
بلّی کو نظر آئے فقط یہ چھیچھڑوں کے خواب

ربانی و یعقوب کے جوڑے کی تڑپ دیکھ
وہ برق کی تصویر ہے یہ پیکرِ سیماب

گجرات کی رونق ہیں حبیب اور کرامت
اسلام کے دریا کے یہ دو موتی ہیں نایاب

شورش سے مرا رشتہ ہے اور وہ ازلی ہے
مَیں وقت کا رستم ہوں وہ ہے ثانیٔ سُہراب

سُن لوگے کہ گجرات میں عالم کی ہوئی فتح
اس فتحِ مبیں کا ہے یہی شہر نیا باب

دریا مرے رستہ میں نہ ہوں گے کبھی حائل
مجھ کو جو گزرنا ہو تو پایاب ہو چیناب

گجرات۔ ۹۔ فروری ۱۹۳۷ء

بقائے وحدتِ اسلام کے وسائل

جو چاہتے ہو کہ روشن بڑوں کا نام کرو
تو جس نے اُن کو بڑا کر دیا وہ کام کرو

کرو خدا پہ بھروسا جو سب سے اچھّا ہے
پھر اپنی قوتِ بازو سے اعتصام کرو

غلامِ احمدِ مختار ہو خدا کے لئے
نہ اپنے آپ کو اغیار کا غلام کرو

اس ابتلا سے خدا کی ہزار بار پناہ
کہ جھک کے تم کسی نا اہل کو سلام کرو

کبھی صلیب کی شہ رگ کو جس نے کاٹا تھا
پھر اُس ہلال کے خنجر کو بے نیام کرو

نہیں ہے اس میں عرب اور عجم کی کچھ تخصیص
وہی وطن ہے تمہارا جہاں مقام کرو

بقائے وحدتِ اسلام ہے اگر منظور
تو قادیاں کی نبوّت کی روک تھام کرو

۲۶۔ فروری ۱۹۳۶ء

مدنی تہذیب اور بنارسی تہذیب

ساقی ابھی بجھی نہیں میرے جگر کی پیاس   لا بادۂ حجاز کے چند اور بھی گلاس
ضغطہ میں ہے پڑی ہوئی عبداللّٰھی مری   جن سے مقابلہ ہے وہ ہیں لالہ رام داس
مَیں ہوں محمدؐ عربی کا مزاج داں   وہ ہیں بنارسی صنموں کے ادا شناس
بالشت بھر کی ایک لنگوٹی پہ اُن کو فخر   اور مجھ کو اس پہ ناز کہ الناس باللباس
عجل حنیذ میرے لئے سیدالطعام   جس کے خیال سے بھی وہ ہوتے ہیں بد حواس
آزادی اُن کی گائے کی دُم سے بندھی ہوئی   آزادیٔ جہاں مری تخییل کی اساس
مجھ کو یہ کد کہ دل میں خدا ہی کا خوف ہو   اُن کو یہ ضد کہ ڈر یہ بھٹکنے نہ پائے پاس
چلتی ہے ہر دوار کی چکی گھُمر گھُمر   لیکن ہے اس کے پاس ہی اسلام کا خراس

وہ جس فضا میں لیتے ہیں آساتشوں کے سانس
اُس کی ہوا مجھے نہ کبھی آسکے گی راس

لاہور۔ یکم مئی ۱۹۳۷ء

الیس اللہ بکاف عبدہٗ

رہ نوردِ کعبہ کیوں وردھا کا رہ رو ہو گیا
کیا خدا کافی نہیں تھا اپنے بندوں کے لئے

اے خدا تیری خدائی کیوں ہوئی جاتی ہے تنگ
توسنِ اسلام کی برقی زقندوں کے لئے

وہ شکار افگن تھے ہم جو آسماں سے لائے تھے
مہرِ انور کی شعاع اپنی کمندوں کے لئے

یا یہی ہم ہیں کہ اپنی گردنیں کرتے ہیں پیش
برہمن کی پختہ زنّاری کے پھندوں کے لئے

بھیڑیے کی دانت کی تیزی سے بھی سفاک تر
خود گڈریے کی چھری ہے گوسفندوں کے لئے

پانچ دن کی زندگی میں دین کا غم کھائے کون
جب یہ مہلت بھی ہو کم دنیا کے دھندوں کے لئے

کیا تماشا ہے کہ کہلاتے ہیں وہ بھی سرفروش
وقف ہے ساری تگ و دو جن کی چندوں کے لئے

یا تو خود مٹ جائیں یا باطل کی شہ رگ کاٹ دیں
ایک ہی رستہ کھلا ہے حق پسندوں کے لئے

جن کے دل پتھر کے ہیں اُن پر تو کیا ہوگا اثر
میرے دل کی یہ صدا ہے دردمندوں کے لئے

لاہور - ۸ - مئی ۱۹۳۷ء

برطانیہ کی فلسطینی حکمت عملی

کفن باندھے ہوئے صحرا سے نکلے   فلسطیں کے شہادت پیشہ غازی

عزیمت اُن کی نخ نخ میں ہے نرکی   حرارت اُن کی رگ رگ میں ہے نازی

لگا رکھی ہے آزادی کی خاطر   انہوں نے ہر طرف سر دھڑ کی بازی

برستی گولیوں میں سر بسجدہ   کبھی دیکھے بھی ہیں ایسے نمازی

ہیں راہِ حق میں مرمٹنے پہ طیار   ہے نازاں اُن پہ تہذیبِ حجازی

نہیں ہو سکتے اک غازی کے ہمسر   اگر ہوں لاکھ فخرالدین رازی

رسن سازانِ مغرب سے یہ کہہ دو   کہ گزری حد سے رسی کی درازی

کہاں تک قدس کی تخریب کاشتی   کہاں تک یہ پرانی خاکبازی

کہاں تک فکرِ اصلاحِ قبائل — کہاں تک یہ انوکھی حیلہ سازی
حمایت نا بکے صیہونیوں کی — کہاں تک یہ یہودیت نوازی
بدل سکتی نہیں فطرت عرب کی — نئی تہذیب کی افسوں طرازی
فقیری سے الجھتی کیوں ہے شاہی — حقیقی سے نہ ٹکرائے مجازی
روش موجودہ اپنی ترک کیجے — اگر ہے دعوئے مسلم نوازی!

ہمارے مشوروں سے بندہ پرور
نہیں اتنی بھی اچھی بے نیازی

لاہور

۹ مئی ۱۹۳۷ء

سرحدی قبائل اور ہندو

ملا کل اُس سراپا ناز سے مَیں　　　　مراسم جس سے ہیں دیرینہ میرے

لگا کہنے کہ مجھ کو گھورتے ہیں　　　　وزیرستاں کی سرحد کے لُٹیرے

مری عزّت کے درپے ہیں یہ ڈاکو　　　　جو آپڑتے ہیں مجھ پر منہ اندھیرے

نہیں انگریز کا بھی اُن کو کچھ ڈر　　　　پڑی ہیں جس کی فوجیں اُن کو گھیرے

جلا کر راکھ کر ڈالے جنہوں نے　　　　ان اوندھی کھوپری والوں کے ڈیرے

خدارا تُو ہی جا کر اُن کو سمجھا　　　　وہ آخر بھائی تیرے ہیں چچیرے

سُنا ہے ہنہناتے جس میں تجھ کو　　　　وُہ ہیں اُس اصطبل ہی کے بچھیرے

کہائیں نے کہ اے غارت گرِ دیں　　　　مری جان اور دل قربان تیرے

کھلا لاہور کے اُن کو پکوڑے　　　　کہ بھُوکے ہیں یہ سرحد کے لُٹیرے

کس اپنے گیسوؤں سے اُن کی مُشکیں　　　　یہ پھر لینے لگیں گے تیرے پھیرے

تری دھوتی اُڑا لے جائیں پھر بھی

تو اُٹھ کر نوچ ڈالیں اُن کے پھیپھڑے

لاہور
۱۲۔ مئی ۱۹۳۷ء

وزیرستان اور کانگریس!

(۱)

بھگا لے گئے ہندوؤں کو پٹھان ۔۔۔ بحکمِ جنابِ "فقیر" ایپی
جب اے۔ پی کی یہ خانہ ساز اطلاع ۔۔۔ "ٹربیون" کے کالموں میں چھپی
تو "ہے رام ہے رام" کا غل مچا ۔۔۔ ہر اک پُرش پر چھا گئی کپکپی
"ملاپ" اور "پرتاپ" نے ایک ساتھ
حکومت کی مہما کی مالا جپی

(۲)

ہوئے ہم نوا اُن کے یوں رام جب ۔۔۔ نہیں جن کا چلتا مسلماں پہ بس
کہ ما بند ہستیم اندر قفس ۔۔۔ نداریم غیر از تو فریاد رس
توئی مالک الملک و ما ہیچکس
توئی ہندواں را اماں بخش و بس

(۳)

ہے کیوں چُپ جب آزاد ہے کانگریس	پھڑکتی نہیں کیوں یہ بھارت کی نس
ہے اُن کی حمایت میں کیوں پیش و پس	پٹھانوں پہ جب بم رہے ہیں برس
نہیں ہے جب اُس ہاتھ پر دسترس	جُھکایا ہے جس نے وطن کا کلس
تو کیوں ہے قیادت کی دل میں ہوس	تمنّا عقابی کی ہو کر مگس
کسی طرح ہوتی نہیں ٹس سے مس
ہے کیا وہ بھی انگریز کی ہم نفس

لاہور
۱۴ مئی ۱۹۳۷ء

مینہ کا جھالا

برسات کے پہلے مینہ کا جھالا — میزانِ کرم میں تُل رہا ہے
نابود ہوئی لپیٹ لوؤں کی — رحمت کا دریچہ کھُل رہا ہے
شاخوں کا نکھر رہا ہے جوبن — پتّوں کا غبار دُھل رہا ہے
توبہ شکنی کی آ گئی رُت — میخانہ میں مچ یہ غُل رہا ہے

پنجاب میں کامراں ہے اسلام
اس غم میں "ملاپ" گھُل رہا ہے

لاہور - ۸ - جون ۱۹۳۷ء

میزانیۂ پنجاب

جو آنکھیں ہیں تو میزانیۂ پنجاب کو دیکھو
روایاتِ کہن کا لاؤ آنکھوں کے لیے کاجل

مداخل اور مخارج کا توازن خانہ پرور ہے
سکندر ہے ابوالفضل اور منوہر لال ٹوڈرمل

جلال الدین اکبر بھی اگر ہو غیب سے پیدا
تو جو عقدے کہ لاینحل ہیں وہ بھی خودبخود ہوں حل

غلامی کی ہیں جتنی لعنتیں نابود ہو جائیں
وطن کے زیرِ دست آثار حلقوں میں پڑی ہلچل

جھکے اسلام کی چوکھٹ پر استعمار کی گردن
بندھا ایماں کے کھونٹے پر ہے گوسالۂ گوکل

خدا کا نام لے کر مالوی جی بھی پکار اٹھیں
ہوالظاہر ہوالباطن ہوالآخر ہوالاوّل

لاہور - ۱۹ جون ۱۹۳۶ء

حُقّہ اور چاء

نہ تو انجیل سے باقی ہے نہ تورات، سے ہے
دین باقی ہے تو قرآں کی آیات سے ہے

زندہ دل یُوں تو ہیں اسلام کے سارے فرزند
اُن کی رونق مگر آبادیٔ گجرات سے ہے

چاء پیتا ہوں تو ہو جاتا ہے ایماں تازہ
چاء نوشی مری دیرینہ روایات سے ہے

حقّہ پیتا ہوں تو اُڑ جاتے ہیں سکھّوں کے دھوئیں
خالصہ جی کی قضا میری کرامات سے ہے

گجرات

یکم جولائی ۱۹۳۷ء

امرتسر اور گجرات کے مسلمانوں کی قسمت کا شکوہ

سر سکندر حیات خاں کی وزارت سے

کیوں دامن توحید مسلماں نے لیا تھام
ہے سب سے بڑا آج کل اس پر یہی الزام

انصاف کی اس عہد میں امید نہ رکھے
جب تک یہ نہ کہہ دے کہ میں ہوں فارغ از اسلام

پنجاب میں کیوں رنگ ہے آج اس کا خصوصی
دنیا میں الٰہی تری رحمت تھی کبھی عام

سکّھوں کو اجازت ہے کہ سرکار سے الجھیں
اور وقت کے قانون کو دیں جنگ کا پیغام

کرپان سے جو تنگ کریں رہگذروں کو
لٹھ لے کے پھریں گلیوں میں بے خطرۂ انجام

اس پر کسی مظلوم کی جب اٹھتی ہے فریاد
آئین کے حربہ سے دبا دیتے ہیں حکّام

رو رو کے یہ کہتی ہے مسلمان کی قسمت
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

لاہور۔ ۹۔ جولائی ۱۹۳۷ء

جواہرلال نہرو کا فلسفہ

یا ہے طعنہ جینا کو جواہر لال نہرو نے
کہ یادِ جاہلیت تازہ کر دی ہند میں تُو نے
سلماں کو کیا گمراہ نام اللہ کا لے کر
وطن دشمن بنایا اُس کو درس اسلام کا دے کر
ہ ہے مجذوب کی بڑ جس کو تُو اسلام کہتا ہے
ترے الہام کو ہندوستاں اوہام کہتا ہے
غریبوں کے لئے مذہب کی افیوں گھولتا کیوں ہے
سیہ کاری کا یہ دروازہ اُن پر کھولتا کیوں ہے
نماز و روزہ و حج کو تعلق کیا سیاست سے
حماقت پرستی کیونکر جُڑ سکتی ہے فراست سے

تری تکبیر کا نقارہ کرلے اپنی ڈوں ڈوں ڈوں
ہے اس ڈوں ڈوں سے بڑھ چڑھ کر مرے چرخے کی چرّخ چوں

مسلماں کو ضرورت ہے تو روٹی کی ضرورت ہے
اور اس کے ساتھ گاندھی کی لنگوٹی کی ضرورت ہے

مسلمانوں کی جیبوں میں نہ پیسہ ہے نہ دھیلا ہے
اگر کچھ پاس ہے ان کے تو استنجے کا ڈھیلا ہے

ملے گا مانگنے سے ان کو جتنا مال و زر مانگیں
مگر جو مانگنا ہے کانگرس کے نام پر مانگیں

یہ جاہل کانگرس میں جوق در جوق آکے مل جائیں
تو بنیادیں ملوکیّت کی دو ہی دن میں ہل جائیں

لاہور ۔۔ ۱۰۔ جولائی ۱۹۳۷ء

محمد علی جناح کا فلسفہ

مسلماں پہلے دن سے ہیں بُتوں کے توڑنے والے
سُنا دو یہ پُرانا قصّہ گاندھی جی کے چیلوں کو
ہُبل ہو لات ہو شو جی ہوں سب مر کر ہوئے مٹّی
بچھڑتا دیکھنی آئی ہے دُنیا ان کے میلوں کو
مگر کعبہ کا وہ اللہ قائم اور دائم ہے
پڑا ہے جس سے پالا نہروؤں کو اور پٹیلوں کو
مسلماں باندھ کر نکلا ہے اپنے پیٹ پر پتّھر
مگر تم بیچ میں لاتے ہو روٹی کے جھمیلوں کو
نہ بھولے سے بھی تم لو نام گنگا کے تھپیڑوں کا
گر اک دن دیکھ لو زمزم کے طوفاں خیز ریلوں کو
مسلماں کی طرح سر سے کفن کیا خاک باندھو گے
سنبھالا جا کے کونسل میں وزارت کے گدیلوں کو

جب اپنے خوں سے ان کو سینچنا تم کو نہیں آتا
چڑھاؤ گے منڈھے کس طرح آزادی کی بیلوں کو

یہ مانا کانگرس میں تم بلا لوگے ہمیں لیکن
پڑھاؤ گے سبق کس طرح نبیوں کا رہیلوں کو

حجازی فن حُدی خوانی کا جب تم کو نہیں آتا
تو کس برتے پہ تھامو گے ان اونٹوں کی نکیلوں کو

مسلماں کے لئے کافی ہے دولت دینِ قیّم کی
تمہاری طرح گنتا ہے وہ پیسوں کو نہ دھیلوں کو

وہ دن آنے کو ہے جب تم پکوڑے بیچتے ہوگے
مگر ہم بھر رہے ہوں گے مسلمانوں سے جیلوں کو

جواب اس قولِ فیصل کا جواہر لال کیا دیں گے
کہ دیکھو تو مسلماں کی مسلمانی کے کھیلوں کو

گورنر ڈھونڈتے پھرتے ہیں استنجے کے ڈھیلوں کو

۱۲-جولائی ۱۹۳۷ء

ہندو مہا سبھا کی فتنہ انگیزی

نہیں ہندوستاں آزاد ہو سکتا قیامت تک — اگر یوں ہی رہی ہندو سبھا کی فتنہ انگیزی

پرایوں کی دراندازی کا رونا کوئی کیا روئے — جب اپنے کر رہے ہوں آپ اپنی آبروریزی

اُدھر ہیں ویر ساورکر اِدھر ہیں ڈاکٹر مونجی — وہ ہیں تلخی بکائن کی تو ہیں یہ مرچ کی تیزی

غلامی جن کی گھٹی میں پڑی ہو چاہتے کب ہیں — کہ اُٹھے اُن کے سر سے سایۂ تہذیب انگریزی

ہے فرق اتنا ہی ساورکر کی اور چرچل کی فطرت میں — وہ زہریلی یہ قہریلی وہ سیوائی یہ چنگیزی

بگولا بن کے بولاتے پھریں لندن میں بیچڈ بن — مسلمانوں کی ہو سکتی نہیں اس سے ہوا خیزی

غنیمت ہے کہ آپہنچی وطن کی لاج رکھنے کو — جواہر لعل اور ہندو سبھا کی باہم آویزی

سکھائی ہے ادب کے بادلوں کو میرے خامہ نے
گہر زائی گہر باری گہر خیزی گہر بیزی

۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء

اتحادِ اسلامی

آقائے مؤیّب زادہ مدیر "چہرہ نما" قاہرہ نے اپنے اخبار کی ایک حالیہ اشاعت میں مسئلہ فلسطین پر چند مقالے شائع کئے۔ ایک مقالے میں آقائے محترم نے مفتی ابن الحسینی قائد فلسطین سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ جب آقائے ممدوح ہندوستان سے واپسی پر براہ طہران عازم کربلا ہوئے تو مفتی صاحب بھی اُن کے ہم سفر تھے۔ ایک دن آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ شیعوں اور سُنّیوں کے تعلقات کے بارہ میں جناب کا کیا خیال ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ اسلام کے ان دو فرقوں کی کشاکش تقویم پارینہ بن چکی ہے۔ موجودہ اسلامی دُنیا میں اس اختلاف کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس حقیقت پر سب سے بڑی روشن یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ کربلائے معلیٰ میں شیعہ امام کے پیچھے فریضۂ نماز ادا کرتے ہوئے میں نے اور دوسرے حنفی المذہب مسلمانوں نے کسی قسم کا تامل نہیں کیا۔ اس سے پہلے بیت المقدس میں اسلامیانِ عالم کی مؤتمر منعقد ہوئی جس میں مختلف اطراف عالم کے ایک لاکھ فرزندانِ توحید شریک تھے لیکن تمام حنفی مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ایک شیعہ مجتہد حضرت حجۃ الاسلام کاشف الغطا کی اقتدا میں

ادا کی۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیائے اسلام شیعہ سُنّی مناقشت سے بہت بلند ہو چکی ہے مفتی صاحب کے ارشادات سے میرے دل پر جو اثر ہوا اُس کی تصویر اشعار ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

گرفتارانِ بوبکرؓ و علیؓ اچھی طرح سُن لیں
کہ اُن کی چپقلش نے کام غیروں کا نکالا ہے

بڑھائی ہے اسی نے طاقتِ استعمارِ مغرب کی
اسی نے نام رہ رہ کر نصاریٰ کا اُچھالا ہے

مفادِ اسلام کا بالا ہے دونوں کی کشاکش سے
عرب پر اور عجم پر یہ معما کھُلنے والا ہے

خدا دونوں کا ایک اور ایک ہے دونوں کا پیغمبر
جنہوں نے ایک ہی سانچے میں ان دونوں کو ڈھالا ہے

یہ شانِ اسلام کے لشکر کی دیکھیں گے حریف اک دن
کہ سُنّی پلٹنوں کے ساتھ شیعوں کا رسالہ ہے

کریں گے اعتراف انگورہ آکر انتھنی ایڈن[1]
کہ پول اسلامیوں کا آج بھی مشرق میں بالا ہے

لاہور۔ ۱۶۔ جولائی ۱۹۳۷ء

---

[1] وزیر خارجہ برطانیہ

تابوتِ سکینہ

جن صوبوں میں ہنود کی غالب اکثریت کے بل پر کانگریس نے سیاسی تفوق حاصل کرلیا ہے وہاں کے بعض مسلمان رب کعبہ کی نامتناہی رحمتوں سے مایوس ہو کر اپنی عافیت اسی میں دیکھتے ہیں کہ اسلام کی دہلیز کو چھوڑ کر اصنام کی چوکھٹ پر سر رکھ دیں۔ محمد مصطفےٰ کی رضا جوئی کا اتنا خیال نہ رکھیں جتنا گاندھی جی کی خوشنودیٔ مزاج کا۔ دینِ قیّم کی روایات بڑی شاندار ہیں۔ لیکن کانگریس کے کابینہ میں گاندھی جی کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر وزارت کا منصب تو نہیں دلا سکتیں۔ یاس و قنوط کی یہ کیفیت مسلمان اخباروں کے ایک خاص طبقہ کے قلب پر بھی طاری ہونے لگی ہے جن کے لب و لہجہ کی تبدیلی دیکھ دیکھ کر خدا یاد آتا ہے کہ کل تک تو سرکارِ مدینہ کے آستانہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھے جاتے تھے اور آج گاندھی جی کی حویلی کی پگڈنڈی پر پیٹ کے بل رینگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انہیں جرائد میں بجنور کا اخبار "مدینہ" بھی ہے جو کبھی اسم بامسمیٰ تھا لیکن آج کل برعکس نہند نام زنگی کافور اچھا خاصہ سومنات بنا ہوا ہے۔ کانگریس اور گاندھی جی کو خوش کرنے کی دُھن میں اس اخبار نے اپنی تمام گزشتہ روایات کو طاقِ نسیاں کے حوالے کر دیا ہے۔ اسلام کے سوادِ اعظم کو انگریزوں کا ٹوڈی کہنا، اُن آزاد خیال مسلمانوں کو جن کا جرم صرف اس قدر ہے کہ وہ کانگریس ... نہیں کرتے تھے۔ ایک برابر کی جوڑ کی

حیثیت سے اُس کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر آمادہ ہیں، پانی پی پی کر کوسنا، ہندوؤں سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے مسلمان اکابر پر جھوٹے الزام لگانا "مدینہ" کا محبوب ترین شغل ہے۔ فواا سفا وامصیبتا!

۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء کے "مدینہ" میں ایک طویل و عریض دشنام نامہ شائع ہوا جس کی زہر آلود سرخیاں ملاحظہ ہوں:۔

یوم شہید گنج پر مسلمانوں کے جلسہ میں پھر ہنگامہ ہوگیا مہاتما گاندھی پنڈت جواہرلال نہرو اور کانگرسی رہنماؤں کو گالیاں۔ مولینا ظفر علی خاں کے حامیوں کی شرمناک حرکت

جو کچھ ان زہریلے عنوانات والے مضمون میں لکھا گیا اُس کا ماخذ "پرتاپ" اور "ملاپ" اور اسی وضع و قماش کے اخبارات کی قلم کاریوں کا خلاصہ ہے اور اس کا بڑا حصہ کذب و افترا محض ہے۔ یوم شہید گنج کی تقریب پر جو جلسہ منعقد ہوا اس میں مسلمانوں کی تعداد کسی طرح بیس ہزار سے کم نہ تھی اور اس میں کوئی ہنگامہ نہ ہوا تھا۔ گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو پر البتہ ذرا گرم تنقید ہوئی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تنقید سے "مدینہ" کے پیٹ میں قولنج کا مروڑ کیوں اُٹھتا ہے۔ اس جلسہ کی تنقید کا لب لباب یہ تھا کہ جہاں تک کانگرس کے اصولوں کا تعلق ہے ہمیں اُن کے ساتھ اتفاق ہے مگر ہم اپنی داڑھی گاندھی جی کے ہاتھ میں دینا پسند نہیں کرتے۔ "پرتاپ" یا "ملاپ" بن کر "مدینہ" اگر ان باتوں پر بگڑتا ہے تو بگڑا کرے۔ مسلمانوں کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ وہ شوق سے اپنی داڑھی گاندھی جی کے ہاتھ میں تھما دے۔ خس کم جہاں پاک!

۱۷ جولائی ہی کی اشاعت میں "مدینہ" نے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے ایک اور چمکتا ہوا جھوٹ تصنیف کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

یکم جولائی ۱۹۳۷ء کو مرادآباد میں ایک جلسہ ہوا جس میں ظفر علی خاں جیسے کاسہ لیس ازلی نے شرکت کی۔ اور کانگرس کے خلاف جی بھر کر زہر اُگلا اور جب چند

مسلم نوجوانوں نے اس بدتہذیبی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی توان غریبوں کو نہایت بدتہذیبی اور فرعونیت کے ساتھ جلسہ گاہ سے نکلوا دیا گیا۔

"مدینہ" کے کارفرماؤں اور کارپردازوں کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ لیکن ساری دنیا بھی دل کے کان کھول کر سُن لے کہ جس یکم جولائی ۱۹۳۷ء والے جلسے کا ذکر "مدینہ" میں ہوا ہے اس میں ظفر علی خاں شریک ہو ہی نہ سکتا تھا اس لئے کہ وہ مراد آباد میں موجود نہ تھا بلکہ پنجاب میں تھا۔ اسی قسم کی افترا پردازیوں کو یہود یانہ کہا جاتا ہے۔

ایک بات البتہ "مدینہ" نے سچی لکھی۔ ظفر علی خاں واقعی کاسہ لیس ہے۔ اور وہ بھی ازلی جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب "مدینہ" پر انگریزی حکومت کے عتاب کا نزلہ ضمانت کی شکل میں گرا تو ظفر علی خاں نے اس کی شان میں ایک ہنگامہ خیز نظم "مدینہ کہئے"، "نگینہ کہئے" کی زمین میں لکھ کر خوشامد اور ٹوڈی پن کی حد کر دی۔ اس نظم کا ایک شعر راقم کو ابھی تک یاد ہے لے

اس میں عم ساری خدائی کے سما جاتے ہیں
تیرے سینہ کو "زمیندار" کا سینہ کہئے!

"مدینہ" اب وہ "مدینہ" نہ رہا۔ آج کل وہ "سومنات" ہے۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ اسی مناسبت سے ایک نئی سوغات اس کی خدمت میں پیش کی جائے۔ سُنئیے:۔

جب "مدینہ" کے قلمکار یہودی ہو جائیں کیوں نہ پھر اس کو بھی تابوت سکینہ کہئے
کالی ماتا کی اسے لکھئے چہیتی بیٹی یا بھاد یو کی اولاد نرینہ کہئے
قادیاں جس سے ہوا زیب بسمل ہوٹل میں اس کو اٹلی کی وہ سفاک حسینہ کہئے

لے افسوس کہ یہ نظم پوری نہیں مل سکی۔ مولوی مجید حسن صاحب مالک اخبار "مدینہ" بجنور کو خط لکھا گیا، مگر انہوں نے خط کی رسید سے بھی سرفراز نہ فرمایا۔

گاندھوی رنگ میں اسلام کی کیجے تعبیر | یعنی اس کو ہوسِ نانِ شبینہ کہئے
کانگرس جس سے مسلمان کو لیتی ہے خرید | اپنے سینہ کو اُسی زر کا خزینہ کہئے
اُڑ رہا جس پہ ہے نہرو کا ترنگا جھنڈا | اپنے اخبار کو اُس بام کا زینہ کہئے

وہ دُعا آپ کو دے آپ اُسے گالی دیں
آپ ہیں یا ہے "زمیندار" کمینہ کہئے

۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

تجویزِ تقسیمِ فلسطین بنوکِ سنگین

لندن کے کمیشن کی سفارش سے پریشاں
سب شیخِ فلسطین ہیں اور شبابِ فلسطین

ساماں ہیں نئی جنگِ صلیبی کے نمودار
خنجر بکف اُٹھنے کو ہیں اعرابِ فلسطین

زینت جسے دی سرخیٔ خونِ شہدا نے
اسلام کے قصے میں وہی بابِ فلسطین

چھینتے ہیں جسے مل کے یہود اور نصاریٰ
ہے تاک میں اُس ناؤ کی گردابِ فلسطین

اس خواب کی تعبیر اتاترک سے پوچھے
دیکھا ہے یہودی نے اگر خوابِ فلسطین

وہ جنگ پلٹ دے گی جو کایا عربوں کی
لکھیں گے اُسے غزوۂ احزابِ فلسطین

ہیں اس میں ہمارے جگر خستہ کے تکّے
سوندھی انہیں تکوں سے ہوئی قابِ فلسطین

ہیں آج کہاں مسجدِ اقصیٰ کے محافظ
دیتے ہیں ندا منبر و محرابِ فلسطین

۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

ہندوستان کا مذہب

ردّی

چادرِ شرعِ نبیؐ جس دن سے چھوٹی ہو گئی
شرم کا معیار گاندھی کی لنگوٹی ہو گئی

جب جواہر لعل نہرو ہیں خدا اس دیس کے
پھر تعجب کیا کہ مذہب اُس کا ردّی ہو گئی

میری نعشِ خونچکاں کا پوچھتے ہو حشر کیا
ہند میں تقسیم اُس کی بوٹی بوٹی ہو گئی

برہمن نے رشتہ جوڑا چھوڑ کر اللہ کو
شکوہ پھر کیسا کہ قسمت میری کھوٹی ہو گئی

سود کھا کھا کر مہاجن بن گیا چاندی کی پوٹ
خون پی پی کر مرا یہ جونک موٹی ہو گئی

لارڈ لنلتھ گاؤ نے پالے ہیں چھ صوبوں میں بیل
کانگرس ان سب کے سینگوں کی سنگوٹی ہو گئی

ڈاکٹر اقبال[1] جن فلسفہ کے ترجماں
وا دریغا شرح اُس کی کرتن کوٹی ہو گئی

شیخ کی داڑھی پہ رہ رہ کر کئے جاتی ہے چوٹ
شوخ کتنی برہمن کے سر کی چوٹی ہو گئی

لاہور۔۔۔ ۲۰۔ جولائی ۱۹۳۷ء

---

[1] جگدن گرو شنکر اچاریہ کا ڈاکٹر کرتن کوٹی

مسجد شہید گنج پر جان نچھاور کرنیوالوں کی یاد

مجلس اتحاد ملت کی طرف سے ۲۲ جولائی ۱۹۳۶ء کو اُن فرزندانِ اسلام کی دوسری برسی کا یادگ۔ دن منایا گیا جنہوں نے ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی عزت پر اپنی جان قربان کر دی تھی۔ آن عالی مقام شہدا کے مزاروں پر جا کر فاتحہ پڑھنے کی سعادت مجھ کو بھی نصیب ہوئی۔ وہاں سے جو تاثرات ۔ب میں لایا اُنہوں نے اشعار ذیل کی صورت اختیار کر لی۔

مرتبہ تم کو شہادت کا ملا تم پر سلام
بھیجتا ہے عرشِ اعظم سے خدا تم پر سلام

کر دیا تم نے حیاتِ جاوداں کا راز فاش
تم نے جان اسلام پر کر دی فدا تم پر سلام

سر کٹا کر تم نے رکھ لی عزتِ شرعِ نبیؐ
کیوں نہ پھر بھیجیں محمدؐ مصطفٰے تم پر سلام

ہند میں ہو تم حسینؓ ابنِ علیؓ کی یادگار
جاں نثارانِ شہیدِ کربلا تم پر سلام

اپنی قربانی سے یادِ قرنِ اوّل تازہ کی
اپنے خون سے نقشہ کھینچا بدر کا تم پر سلام

ذرہ ذرہ ہے مقدس بلدۂ لاہور کا
جس کی گلیوں میں تمہارا خوں بہا تم پر سلام

زندہ رہنا ہی تو مرنا کوئی ہم سے سیکھ جائے
یہ سبق احرار کو تم نے دیا تم پر سلام

لوٹنا مسجد کی خاطر خون میں اور خاک میں
کیسی پیاری رسم کی ڈالی بنا تم پر سلام

جھانسی کی مسلم لیگ کی شاندار فتح

لیگ کو دی خدا نے فتح مبیں — کانگرس کو شکست فاش ہوئی
جان لاہور لے گیا جس کی — جا کے جھانسی میں سرگباش ہوئی
ستیہ پال کے لئے یہ خبر — دل فگار اور جگر خراش ہوئی
یہ صراحی بھی کیسی نازک تھی — ٹھیس لگتے ہی پاش پاش ہوئی
لیگ والے ہمبر پور گئے — جنس ایماں کی جب تلاش ہوئی
میں نے دی لیگ کو مبارکباد — کہ وہ ملت کی خواجہ تاش ہوئی
ہمزباں ہیں ملائکہ میرے — اُن کو بھی فکر زندہ باش ہوئی

گوشت خوروں سے وہ لڑیں گے کیا
جن کو مرغوب دال ماش ہوئی

۲۳ ـ جولائی سنہ ۱۹۳۷ء

جیرانِ رسول کا پیغام

تجویزِ تقسیم فلسطین کے خلاف اظہارِ غیظ و غضب

حرم سے جو پیام آیا ہے تم نے پڑھ لیا ہوگا
ہے اُس کا فقرہ فقرہ شرح ارشادِ پیمبرؐ کی
مسلمانوں کا پہلا قبلہ واقع ہے فلسطیں میں
اور اُن کا فرض ہے تطہیر اور تقدیس اِس گھر کی
خدا کی رحمتیں چھائی ہوئی ہیں اس کے آنگن پر
خدا کا نُور ہے آرائش اس کے بام اور در کی
جنابِ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کے تجمّل نے
بڑھائیں رونقیں جب مسجدِ اقصیٰ کے منبر کی

تو فرمایا کہ اب اس میں یہودی رہ نہیں سکتے
فلسطیں میں نہیں گنجایش ان کے فتنہ و شر کی
اگر انگریز ٹکراتے ہیں آج اس قولِ فیصل سے
منانی چاہیئے خیر اُن کو اپنے کاسۂ سر کی
فلسطیں پہلے دن سے گھر ہے فرزندانِ بطحا کا
نکلنا اُن کا اس کشور سے صف چھپنی ہے محشر کی
نہیں ڈرا برہہ کی یورشوں کا کعبہ والوں کو
کہ جن کو میسّر ہے ابابیلوں کے لشکر کی

لاہور

۲۴۔ جولائی ۱۹۳۷ء

محسن شاہ کی موٹر

نواب نثار علی خاں قزلباش رئیس اعظم لاہور کے چھوٹے بھائی تکمیل تعلیم کے بعد جب لندن سے واپس وطن آئے تو نواب صاحب نے اُن کے آنے کی خوشی میں احباب کو نہایت وسیع پیمانہ پر ایک پُر تکلف دعوت دی جن احباب کے نام دعوت کے رقعے جاری کئے گئے اُن میں علامۂ اقبال اور سید محسن شاہ بھی شریک تھے۔ ایک رقعہ میرے نام بھی آیا تھا۔ سید محسن شاہ اپنی موٹر پر آئے۔ اس خیال سے کہ سید صاحب کچھ مولانا شوکت علی تو ہیں نہیں کہ ساری موٹر میں اُن کے تن و توش کے سوا اور کسی کی گنجایش نہ نکل سکے۔ مَیں نے اور علامۂ اقبال نے اُن سے کہا کہ اختتام دعوت پر ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ لیکن جب دعوت ختم ہوئی تو سید صاحب مع موٹر غائب تھے اس پر بے ساختہ میری زبان سے نکلا:۔

برق پا موٹر ہے محسن شاہ کی | واہ کیا موٹر ہے محسن شاہ کی
کر نہیں سکتی ہمارا انتظار | بے وفا موٹر ہے محسن شاہ کی
چھینے جاتی ہے دل سرکار کو | دلرُبا موٹر ہے محسن شاہ کی

علامہ اقبال نے یہ اشعار سُن کر کہا کہ موٹر کی بے حیائی کے متعلق بھی کچھ کہا ہوتا۔ یوں کیوں نہیں کہا ع

بے حیا موٹر ہے محسن شاہ کی

مَیں نے معاً کہا :۔

غیر سے ہے بسکہ اس کی رسم و راہ
بے حیا موٹر ہے محسن شاہ کی
رُخ نہیں کرتی تھیٹر کی طرف
پارسا موٹر ہے محسن شاہ کی
خود تو محسن شاہ ہیں خاکی نژاد
بادپا موٹر ہے محسن شاہ کی!

لگاؤ اور لاگ

گرمی اُدھر اگست کی اور چاہ کی اِدھر
اُوپر اگر ہے آگ تو نیچے بھی آگ ہے

ہے مذہبِ حجاز کی ضد دینِ قادیاں
اُس سے مجھے لگاؤ ہے اور اِس سے لاگ ہے

مُنہ زور ہو رہی ہے خلافت کی مادیاں
ملتانیوں کے ہاتھ میں آج اس کی باگ ہے

گُل ہو سیو بشیر کے گھر کا ہوا چراغ
آج اُن کی نوعروس کا لُٹتا سُہاگ ہے

اسلام تاکتا ہے محمدؐ علی کو اب
باقی جو رہ گیا وہ پُرانا یہ گھاگ ہے

کرم آباد

۴۔ اگست ۱۹۳۷ء

تابوتِ قادیاں میں آخری میخ

نبیؐ کی شرم نہ ہو خوفِ لا الٰہ نہ ہو
ہوس نہ جس کی ہو ایسا کوئی گناہ نہ ہو

اگر چھنے بھی تو گاڑھی چھنے یہود کے ساتھ
نہ ہو تو شرعِ نبیؐ ہی سے رسم و راہ نہ ہو

امان ہو وہی بخشے کلیسا جس کو
پناہ ہو وہی کعبہ کی جو پناہ نہ ہو

نجات سے رہے محروم تا بہ شامِ ابد
وہ بدگُہر جو نصاریٰ کا خیر خواہ نہ ہو

شراب آئے تو تثلیث کے خمستاں سے
نہ ہو تو بادۂ توحید ہی کی چاہ نہ ہو

ٹچی کی ٹچ پہ جو بارش ہو نقرہ و زر کی
تو پھر خزانۂ قاروں پہ بھی نگاہ نہ ہو

سوادِ عرش سے اُترے محمدی بیگم
قیامت آئے اگر اس دلہن سے بیاہ نہ ہو

خدا کہے کہ انا منک ایہا المرزا
تو گُنگ ہو وہ زباں جس پہ واہ واہ نہ ہو

کرے جو بعد میں اصرار اَنتَ مِنّی پر
تو قدسیوں کو بھی یارائے اشتباہ نہ ہو

نہ لطف بیٹھ کے حجرے میں دے بیاباں کی سیر
اگر بغل میں کوئی ماہِ نیم ماہ نہ ہو

غرض صحیفۂ اعمال پر پڑے جو نظر
نہ کوئی گوشہ بھی ایسا ہو جو سیاہ نہ ہو

جب اس میں جمع ہیں یہ سب جہنمی صفتیں
غضب ہے پھر بھی اگر قادیاں تباہ نہ ہو

بھلّے اور پکوڑے

کریں جو گائے پر آدم کی آبرو قربان
وہ آدمی نہیں ڈھوروں کے چند گلّے ہیں

جواب بن نہیں پڑتا مرے سوالوں کا
لڑا رہے وہ نئی بانگی کے ٹلّے ہیں

جہاں مسلّوں کو گز بھر زمیں بھی مل نہ سکے
وہ رائے رام سرنداس کے محلّے ہیں[1]

وہ جوتیاں کبھی بٹتی تھی جن میں ماش کی دال
اب ان میں بانٹتے خوشحال چند بھلّے ہیں[2]

دہی بڑوں سے ہی لذت سوا پکوڑوں میں
مزے مزے کے اللّے ہیں اور تللّے ہیں

جماؤ بتکدہ میں کب تک اُن کے آسن کا
بچھے ہوئے ادھر اسلام کے مصلّے ہیں

پھرا ہے دیکھتے ہی جن کے ہر دوار کا منہ
وہ کعبہ والوں کے جبڑے ہیں اور کلّے ہیں

۵۔ اگست ۱۹۳۷ء

---

[1] لاہور کے ہندوؤں کے خفیہ عمرانی قانون کی یہ پہلی دفعہ ہے کہ ان کے محلوں میں کسی مسلمان کو مکان بنانے کے لئے زمین نہ ملنے پائے اور نہ کسی مسلمان کو مکان کرایہ پر دیا جائے۔

[2] والد خوشحال چند خورسند مدیر "ملاپ" کے سمدھی بھلّے صاحب ہیں جو جوتوں کی تجارت کرتے ہیں۔ پنجاب میں بھلّے دہی بڑوں کو کہا جاتا ہے۔

فرقہ پرستی اور قوم پرستی

جس نے لیا نبیؐ کا نام فرقہ پرست ہو گیا
جس کو پڑا خدا سے کام فرقہ پرست ہو گیا

چُپ ہیں سارے حق پرست جب ہوئی اذان کی پکار
جس نے کیا یہ اہتمام فرقہ پرست ہو گیا

گرچہ وطن نواز تھا شیخ بھی برہمن کی طرح
دیتے ہی کعبہ کا پیام فرقہ پرست ہو گیا

مرتبہ آدمی سے ہی گائے کا ہر طرح بلند
اس میں ہوا جسے کلام فرقہ پرست ہو گیا

آج ہی کانگریس کا راج ہی ہی راج رام راج
کر نہ سکا جو رام رام فرقہ پرست ہو گیا

دیں کا جو مذاق اُڑائے قوم پرست ہے وہی
اُٹھ کے جو مسجدوں کو ڈھائے قوم پرست ہے وہی

گاندھی نہرو پٹیل ذات کے یہ خدا ہیں تین
رات دن ان کے گن جو گائے قوم پرست ہے وہی

ہند کے طول و عرض میں خون جو خدا پرست کا
گائے کے نام پر بہائے قوم پرست ہے وہی

ہم کو کہے وطن فروش آپ بنے وطن پرست
جو یہ سلیقہ سیکھ جائے قوم پرست ہے وہی

قوم پرست ہے وہی کہتے ہیں جس کو بُت پرست
جس سے ہمیں خدا بچائے قوم پرست ہے وہی

۶۔ اگست ۱۹۳۷ء

مسلمانوں کی بُت پرستی

بُت پرست اپنے نسب پر جب سے اترانے لگے ہم مسلماں زادہ کہلانے سے شرمانے لگے

کیا قیامت ہے کہ جس کا نام ہی تھا بُت شکن بُت کے آگے سر اُسی ملت کا جُھک جانے لگے

نغمۂ توحید اب کس کی زباں پر آئے گا جب خود ابراہیم[1] بندے ماترم گانے لگے

سونپ دی ہم نے مسلمانوں کی قسمت آپ کو ویسرا گاندھی سے خلوت میں یہ فرمانے لگے

ہندوؤں کا مل گیا قارورہ انگریزوں کے ساتھ اُن کے دن اچھے ہمارے دن بُرے آنے لگے

کیا تعجب ہے کہ اپنی دیکھ کر چڑھتی کمان کانگرس پنجاب میں بھی پاؤں پھیلانے لگے

وقت یہ پہنچا کہ اپنوں کی یہ حالت دیکھ کر وقت کا کوئی نقیب اس طرح چلانے لگے

ناخدائے کشتیٔ ما گر نباشد گو مباش

۹۔ اگست ۱۹۳۷ء ما خدا داریم ما را ناخدا درکار نیست

---

[1] حافظ محمد ابراہیم جو مسلمانوں سے کٹ کر گاندھی جی کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے ہیں اور آج اسی ملت فروشی کے صلہ میں پنڈت گوبند بلبھ پنت صدر اعظم ممالک متحدہ آگرہ واودھ کے دستِ چپ بنے ہوئے ہیں۔

محمد یعقوب کا نیا مذہب

غمِ اسلام میں انگریز بھی تھا بس کہ نڈھال
گھلے جاتے تھے اسی غم میں محمد یعقوب

ہم کو دیتے تھے نصاریٰ کی موالات کا درس
کہ یہی شیوہ خود اللہ کو بھی ہے مرغوب

وعظ ہوتا تھا کہ ہے ملّتِ بیضا واحد
نہیں اسلام میں گنجائشِ احزابِ شعوب

ہم کو تھا حکم کہ ہندو سے نہ رکھو سروکار
کیونکہ ہے اس کو مسلماں کی تباہی مطلوب

ہم سے کہتے تھے کہ گنگا میں بپا ہے طوفاں
دیکھنا اس میں کہیں کشتیٔ دیں جائے نہ ڈوب

آج ارشاد یہ ہوتا ہے کہ بُت خانہ میں جاؤ
اور کرو شوق سے اصنام کی تسخیرِ قلوب

آج ملّت سے علانیہ کہا جاتا ہے
یہی اچھا ہے کہ ہو جائے بتوں سے مرعوب

آج ہر صوبہ کو تعلیم یہ دی جاتی ہے
کہ تشتّت نہیں از روئے شریعت معیوب

آپ کو کس نے سکھایا ہے جنابِ والا
اس نئی وضع کی اسلام کُشی کا اسلوب

آپ کو اس کی خبر بھی ہے کہ ہم جانتے ہیں
آپ کے پردۂ زنگار کے معشوق کو خوب

۱۴۔ اگست سنہ ۱۹۳۷ء

شرط آزادیٔ کامل

مسلکِ آزادیٔ کامل کا نہ ہو جس کو پسند
مرتبہ کیوں ہو پھر اُس قوم کا دُنیا میں بلند

صبح پیکن میں کٹی شام ہوئی لزبن میں
جب اُڑا دینِ حجازی کا سُبک گام سمند

ہند آزاد تو ہوگا مگر اس کی ہے یہ شرط
کہ ہو گردن میں محمدؐ کی غلامی کی کمند

آج ایمان کی پہچان وطن میں ہے یہی
دل میں ہو زہرِ ہلاہل تو زبانوں پہ ہو قند

"ہند" پر بند ہوئی راہِ خمستانِ حجاز
درِ میخانہ نہ بستند خدایا مپسند

کہ درِ خانۂ تزویر و ریا بکشائند

کلکتہ۔ ۲۵۔ اگست ۱۹۳۷ء

دو اسلامی تقریبیں

انجمن اسلامیہ ڈگشائی کی دعوت پر اُس کے سالانہ جلسۂ تبلیغ میں شرکت کی غرض سے مَیں ۲۷ - اگست ۱۹۳۷ء کو شملہ سے ڈگشائی پہنچا اور احباب کی فرمائش پر ذیل کے تین اشعار فی البدیہہ کہے :-

بعد باون سال کے ڈگشائی میں آیا ہُوں مَیں — صبح کا بھولا ہُوا آ ہی گیا گھر شام کو

ہندوؤں کے سامنے انگریز جُھکنے لگ گیا — دیکھتا ہُوں انقلابِ چرخِ نیلی فام کو

ایک دن وہ بھی خدا کے فضل سے آجائے گا — جانِ بُل جُھک کر کرے گا جب سلام اسلام کو

اگلے دن واپس شملہ جا کر مقامی انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں شریک ہُوا۔ وہاں بھی کچھ اشعار کا تقاضا ہُوا جسے یوں پورا کیا گیا :-

خوش رہے اسلامیانِ شملہ کی یہ انجمن — جس کی ہمت نے اُچھالا ہے سلف کے نام کو

ہوگی اس کی زندگی پائندگی کی ہم ردیف — بسکہ اس نے نام پر ترجیح دی ہے کام کو

فرض ہے اس کا کہ پہنچائے بہ حُسنِ اہتمام — کوچہ کوچہ میں رسولؐ اللہ کے پیغام کو

اُس خدا کے سایۂ کا تاج اس کے سر کو ہو نصیب — جس خدا کی رحمتیں شامل ہیں خاص و عام کو

شملہ
۲۸ - اگست ۱۹۳۷ء

گوجر خان

یہی ہے شانِ ایمانِ مسلمانانِ گوجر خاں
کہ ہو ایک ایک اُن میں بوذرِ مسلمانِ گوجر خاں

کفن بردوش ہو کر گھر سے نیلی پوش جب نکلے
میں سمجھا بدر کا میدان ہے میدانِ گوجر خاں

اطاعت ربِّ اکبر کی رضا جوئی پیمبر کی
اب اس سے بڑھ کے کیا ہوگا سر و سامانِ گوجر خاں

سکندر طالعی اس کی ہے عنوان اس کی دولت کا
وہ نوبت آنے کو ہے دارا ہو دربانِ گوجر خاں

شرابِ خانہ ساز آتی ہے یثرب کے خمستاں سے
ہیں سرشار اس شرابِ تیز سے رندانِ گوجر خاں

صلانانِ نمک کی کیوں نہ ہو ساری خدائی کو
خدا جب میزباں ہو اور ہوں مہمانِ گوجر خاں

کٹانا راہِ حق میں سر سکھایا اپنے بچوں کو
رہے گا مدتوں ملّت پہ یہ احسانِ گوجر خاں

کرشمہ تھا یہ میرے خامۂ رنگیں کی قدرت کا
بہارستاں نظر آتا ہے خارستانِ گوجر خاں

یہ کس کی آمد آمد ہے کہ پلکوں کے جھپکتے ہی
گلستاں بن گیا ہے کلبۂ احزانِ گوجر خاں

گوجر خان۔ ۵۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

یورپ کا حربی زلزلہ

غوغائے اذا زلزلت الارض بپا ہے پوری ہوئی اللہ کی قدرت کی وعید آج
ہے لرزہ بر اندام ہمالہ کی ترائی ہے فرشِ زمیں درگروِ بطش شدید آج
سنتے تھے کہ آنے کو ہے اک روز قیامت ہے دید کے پردہ پہ ہویدا یہ شنید آج
روتی ہوئی لندن میں نظر آتی ہے مجھ کو رکھے ہوئے سر خاک پہ تہذیبِ جدید آج
کالوں کو مبارک ہو کہ گوروں کے گھروں میں بھونچال مساوات کی لایا ہے نوید آج
نازل ہوئی دونوں پہ برابر کی مصیبت آفت زدہ یکساں ہیں سیہ اور سپید آج
مظلوم کی فریاد سنی اس کے خدا نے کٹنے کو ستمگار کی ہے حبلِ ورید آج

گر اب بھی لگے درد کی چوٹ اُن کے جگر میں
ہاتھ آئے انہیں روضۂ راحت کی کلید آج

۲۲ ستمبر ۱۹۳۷ء

نارجیلستان

سنہ ۱۹۳۱ء میں مجھے مالابار جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سرزمین میں اردو زبان و ادب کی روشنی بہت کم پہنچی ہے۔ اور مالابار کے مسلمان جو آبادی کا جزو غالب ہیں۔ زیادہ تر ان زبانوں کے دلدادہ ہیں جو بوجہ تمام اسلامی روایات کی آئینہ دار نہیں ہو سکتیں۔ میں نے اس ثقافتی انحطاط کی طرف حاجی سیٹھ عبدالستار ممبر سنٹرل اسمبلی اور دوسرے اکابر مالابار کو توجہ دلائی جو نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ چنانچہ وہاں انجمن اردو کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس انجمن نے چھ سال کے عرصہ میں جو شاندار خدمات انجام دیں وہ اس امر سے ظاہر ہیں کہ آج مالابار کی مسلم آبادی ذوق اردو سے آشنا ہو چکی ہے۔ اس دورافتادہ مدراسی خطہ میں اردو کی رفتار ارتقا کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں سے ایک اعلیٰ پایہ کا اردو رسالہ جاری ہونے والا ہے۔ اس سلسلہ میں سیٹھ عبدالکریم اختر کا ایک مکتوب موصول ہوا جس میں رسالہ کی پہلی اشاعت کے لئے مجھ سے ایک نظم کی فرمائش کی گئی۔ اختر صاحب کے مکتوب کا جواب ذیل کی نظم میں دیا گیا۔ میری اس نظم کے موصول ہونے پر رسالہ کا نام نارجیلستان تجویز کیا گیا۔

وہ مالا بار جس کو برہمن کیرالہ کہتا ہے — زبانِ شیخ میں کہتے ہیں اُس کو نارجیلستاں

یہاں کے سارے چشمے پھوٹ کر نکلے ہیں جنّت سے — اسی نسبت سے کہہ سکتے ہیں اس کو سلسبیلستاں

کیا ہے زندہ اس نے رسمِ ابراہیمؑ آذر کو — پھر اس کا کیوں نہ یہ حق ہو کہ کہلائے خلیلستاں

خُدا کے نام پر مِٹنے والے اس میں بستے ہیں — یہی توحید کے پرچم کشاؤں کا قتیلستاں

پیامِ سیر وہ صد سالہ صبح و شام آتا ہے — نہ کیوں پھر نام رکھا جائے اس کا جبرئیلستاں

ہو پیمانہ میں جو مُل زنجبیلی ہو مزاج اُس کا
ہو ساقی ساقیٔ یثرب ہے محفل زنجبیلستاں

۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

سر ہربرٹ ایمرسن سے گلہ

کفر کی شوخی جھانک رہی تھی استعمار کے روزن سے
ملّت بیضا کو یہ گلہ ہے سر ہربرٹ ایمرسن سے
اُمّتِ مرزا جھاڑ کی صورت لپٹی ہو دین کے دامن سے
برقِ کلیسا کھیل رہی ہے بہشتیوں کے خرمن سے
کس سے کریں فریاد مسلماں کیسے زباں پر آئے فغاں
چھید رہی ہے جس کو حکومت استبداد کی سوزن سے
جو نہ ہوئی مکّہ میں میسّر اور نہ مدینہ ہی میں ملی
آئے بہشتی مقبرہ والے لے کے وہ عزّت لندن سے

لاہور — ۸ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

پیرزادہ

پیرزادہ ذکاء اللہ صدر مسلم یوتھ لیگ شملہ کی فرمائش کا جواب

محوِ جمالِ سادہ ہوں سرشارِ بادہ ہوں
دونوں پہ حق مرا ہے کہ میں پیرزادہ ہوں

پڑتی ہے ہر دوار میں ہلچل ہر اک طرف
جس وقت میں جہاد کا کرتا ارادہ ہوں

وضعِ محمدِ عربی ہے مرا شعار
میں اوڑھ کر حجاز کا آیا لبادہ ہوں

مسلم ہوں فکرِ دوریٔ منزل نہیں مجھے
مانا کہ تم سوار ہو اور میں پیادہ ہوں

تہذیبِ مغربی کی نہ داڑھی ہے اور نہ مونچھ
صورت یہ کہہ رہی ہے کہ نر ہوں نہ مادہ ہوں

جس کو ادب سے بوسہ دیا جبرئیل نے
اُس آستاں پہ دیر سے میں سر نہادہ ہوں

ہندوستاں میں آکے میں گمراہ ہو گیا
گاندھی ہی جادہ اور میں خم و پیچ جادہ ہوں

شملہ - ۱۲ - اکتوبر ۱۹۳۷ء

مولانا ابوالکلام آزاد
اور
آل انڈیا مسلم لیگ

مولانا ابوالکلام آزاد نے حلقہ بجنور کے مسلمانوں کے نام ایک پیغام حافظ محمد ابراہیم کی حمایت میں شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلم لیگ والے سب کے سب اربابِ غرض اور رجعت پسند ہیں لہٰذا ووٹ مولوی عبدالسمیع کی بجائے جنہیں کونسل کی رکنیت کے لئے مسلم لیگ نے نامزد کیا ہے کانگرسی امیدوار حافظ ابراہیم کو ملنے چاہئیں۔ اس مضمون کا ایک اشتہار قصبہ کرتپور کی دیواروں پر چسپاں دیکھ کر اشعار ذیل سپردِ قلم کئے گئے :-

بوالکلام آزاد سے یہ پوچھتے ہیں دل جلے — آج کل تم پیشوائے اُمتِ مرحوم ہو
کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں — تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو
نہرو و گاندھی کے دل کا حال تم جانو اگر — پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو
کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جا کے تم اغیار سے — پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو
ہم مسلماں ہیں جو ہیں اوجِ سعادت کے ہما — آئیں اُس کے سایہ میں ہم کس طرح جو بوم ہو

تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہی رجعت پسند — تم کہاں کے ہٹلرِ وقت اے مرے مخدوم ہو

کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجماں — اور غلامی کفر کی اسلام کا مفہوم ہو

کیا تماشا ہی کہ ہم گاندھی کے آگے سر جھکائیں — کیا قیامت ہی کہ جو حاکم ہے وہ محکوم ہو

اے خدا راہِ ہدایت اس مسلماں کو دکھا — غیرتِ اسلام کی دولت سے جو محروم ہو

وقت آپہنچا کہ ہو اسلام کا جھنڈا بلند — اور یہ نظمِ زندگی بار دگر منظوم ہو

وقت آپہنچا کہ "یا گاندھی" پکارے کانگرس — نعرہ مسلم لیگ کا "یا حیّ یا قیّوم" ہو

وقت آپہنچا کہ ملت کے مٹیں سب اختلاف

اور ہمارے نام کی ہندوستاں میں دھوم ہو

کرت پور (یو-پی)

۲۳- اکتوبر ۱۹۳۷ء

کانگریس اور مسلم لیگ کی انتخابی جنگ

حافظ ابراہیم اُدھر ہیں اور اِدھر عبد السمیع
ہر دو داری درس اُدھر ہی یثربی تعلیم اِدھر

اُس طرف آذر کے سارے بُت قطار اندر قطار
اور پرستارانِ ربّ کعبہ کی تنظیم اِدھر

اُس طرف باطل کے شیدائی کی اکڑی گردنیں
اور ہجوم کشتگانِ خنجرِ تسلیم اِدھر

اُس طرف گاندھی کے فرماں پر سرِ تکریم خم
اور رسول اللہ کے ارشاد کی تعظیم اِدھر

اُس طرف نہرو پرستوں کے لئے بھارت کا راج
اور خدا والوں کے سر پر تاج ہفت اقلیم اِدھر

اُس طرف ہاتھوں میں ہی جھنڈا ترنگا اوم کا
اور فضا میں اُڑ رہا ہے پرچم حٰمٓ اِدھر

اُس طرف گاگر میں گنگا جل کی گدلی ستیاں
ساتگینوں میں شراب کوثر و تسنیم اِدھر

اُس طرف متھرا کے پیڑوں کی فقط پنیوں میں بانٹ
احمدِ مرسل کے لطفِ عام کی تقسیم اِدھر

اُس طرف ہی احترام انگریز کے آئین کا
اور ہے اس آئینِ نافرجام کی ترمیم اِدھر

ووٹ دینے والو سُن لو کان دل کے کھول کر
خطرہ ایماں کو اُدھر سے ہی نہیں یہ بیم اِدھر

بجنور۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۷ء

ملّتِ بیضا کے نورِ نظر

دبی ہوئی تھیں برہمن کے دل میں جو باتیں
ہزار سال کے بعد آئی ہیں زبانوں پر

ٹپکتی جن سے ہیں سرمستیاں مدینہ کی
لگائے جائیں گے ٹھپّے اُن شرابخانوں پر

وہ گردنیں جنہیں انگریز بھی جھکا نہ سکا
جھکائی جائیں گی ہندو کے آستانوں پر

ہیں جن کے نرغہ میں اسلام کے کچھار کے شیر
بٹھائے جائیں گے بنیے اب اُن مچانوں پر

وہ بجلیاں جنہیں تڑپا دیا ہے کاشی نے
گرائی جائیں گی کعبہ کے پاسبانوں پر

کدھر ہیں ملّتِ بیضا کے بُت شکن فرزند
گڑے ہوئے ہیں عَلَم جن کے آسمانوں پر

سوادِ اعظمِ اسلام کی نگاہِ امید
جمی ہوئی ہے علی گڑھ کے نوجوانوں پر

علی گڑھ (مسلم یونیورسٹی یونین)

۴۔ نومبر ۱۹۳۷ء

اچھوتی آزمائش

بچا لیتا ہے گاندھی جی کو یا لیتا ہے جان اُن کی
اچھوتی وضع میں ہندو دھرم کی آزمائش ہے

اچھوت اور برہمن کا فرق مٹ جائے تو میں جانوں
سناتنیوں کی اور ورن آشرم کی آزمائش ہے

منو جی کا بھرم کھُل جائے گا دو چار ہی دن میں
اب اُن کے خم کی اور گاندھی کے دم کی آزمائش ہے

کھلا دوں گا میں بھوجن مالوی جی کو اچھوتوں سے
فقط اس میں مرے زورِ قلم کی آزمائش ہے

فنا ہونے کو ہے کاشی سے اُونچ اور نیچ کی لعنت
رسول اللہ کے لطف و کرم کی آزمائش ہے

لاہور ۔ ۷ ۔ دسمبر ۱۹۳۲ء

نویدِ عید

سحابوں کے جلو میں چمکا ہلالِ شوّال آسماں پر
جمی ہوئی ہے نگاہِ عالم خدا کی رحمت کے اس نشاں پر

بپا ہوا غُل کہ عید آئی حیاتِ نو کی نوید لائی
ترانۂ تکبیر کا رواں ہے جہانِ اسلام کی زباں پر

عرب کا فرخندہ فال قاصد پیامِ روزِ الست لایا
کہ تکیہ سب سے وہی ہے اچھا جو ہو خداوندِ انس و جاں پر

وطن کو آزاد دیکھنا ہے تو چھوڑ دے بندگی بُتوں کی
اگر حکومت کی آرزو ہے تو جُھک محمدؐ کی آستاں پر

حیاتِ جاوید چاہتا ہے تو پہلے کر یہ سلیقہ پیدا
حسینؓ کی طرح کربلا میں زمیں پہ تن ہو سر سناں پر

ستمگروں کی ستمگری پر فضا فلسطیں میں ہنس رہی ہو
تنورِ مغرب بھڑک رہا ہو نظر ہو شعلوں کی پرنیاں پر

لاہور، یکم دسمبر ۱۹۳۷ء

دستِ زرفشاں اور جیبِ زرکشاں

نئے تیر اب کہاں سے لائے گی احرار کی ٹولی
کہ خالی ہو چکا ان قادر اندازوں کا ترکش ہے
ہے گاندھی جی سے ان کا رشتہ اور یہ رشتہ ہے زریں
کہ ہاتھ اُن کا زرافشاں ہے تو جیب ان کی بھی زرکش ہے
کسی دن سرنگوں دیکھیں گے اس کو دیکھنے والے
سوادِ اعظمِ امت سے جو بدبخت سرکش ہے

لاہور۔ ۱۲۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

حلقۂ امروہہ کی انتخابی آویزش

اگر مینہ زور سے برسا تو گل جائیں گی دیواریں
کہ اینٹیں ساری کچّی ہیں بشیر احمد کے بھٹّے کی

بتوں سے جا ملے کٹ کر ہمارے مولوی ہم سے
نہ رکھی شرم انھوں نے اپنی پیشانی کے گھٹّے کی

مسالہ پیستے ہیں جس پہ وہ بے دانت کی سِل ہے
نہ کچھ بھی چل سکی ان کانگرس والوں کے بٹّے کی

لیا شوکت علی نے ہاتھ میں اسلام کا ڈنڈا
نہیں جب جانوں سہیں اک چوٹ بھی اس ہٹّے کٹّے کی

امروہہ - ۲ - دسمبر ۱۹۳۷ء

کانگرسی دُولھا اور احراری دُلہن

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی انتخابی آویزشوں میں مجلس احرار پوری سرگرمی سے کانگرس کا پروپیگنڈا کرتی رہی۔ بعض موقعوں پر اس مجلس کی سرگرمیوں کی نوعیت بہت ہی صبر آزما ہو جاتی تھی۔ اشعار ذیل ایسے ہی ایک موقع پر بر سبیل اضطرار زبان سے نکل گئے:۔

باوا تھے مسلمان تو بیٹے تھے مجوسی
پوتے جو ہیں احرار وہ کہلائے فلوسی

مل جائے جہاں چندہ وہی ہے وطن ان کا
ہندی ہیں نہ مصری ہیں نہ چینی ہیں نہ رُوسی

جو بوند مرے خوں کی مہاجن سے بچی تھی
پنجاب کے احرارِ ستم پیشہ نے چوُسی

نہرو جو ہے دُولھا تو دُلہن مجلسِ احرار
ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عُروسی

حُقّہ نے بنایا مجھے دو کش میں محقّق
اور فلسفہ چھانٹا کئے دوانی و طُوسی

امروہہ۔ ۳۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

پردۂ استقبال کی چھنتی ہوئی روشنی

کوئی دن جاتا ہے پیدا ہوگی اک دنیا نئی
خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ جہاں ہو جائے گا

بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضائے قدس میں
حق عیاں ہو جائے گا باطل نہاں ہو جائے گا

ان کواکب کے عوض ہوں گے نئے انجم طلوع
اُن دنوں رخشندہ تر یہ آسماں ہو جائے گا

پھر نئے محمود ہوں گے حامیٔ دینِ متیں
بچّہ بچّہ غیرتِ الپ ارسلاں ہو جائے گا

میرے جیسے ہوں گے پیدا سینکڑوں اہلِ سخن
نکتہ نکتہ جن کا آزادی کی جاں ہو جائے گا!

شانِ مزدوری کی دنیا میں بڑھا دی جائے گی
بے نشاں سرمایہ داری کا نشاں ہو جائے گا

ڈھائی جائے گی بنا یورپ کے استعمار کی
ایشیا آپ اپنے حق کا پاسباں ہو جائے گا

ہندوؤں میں اور مسلمانوں میں ہوگی آشتی
اک جہاں انگشتِ حیرت درد ہاں ہو جائے گا

نغمہ آزادی کا گونجے گا حرم اور دیر میں
وہ جو دار الحرب ہے دار الاماں ہو جائے گا

نام پر ترجیح دے کر کام کو ہندوستان
کامیاب و کامگار و کامراں ہو جائے گا

ہم کو سودا ہے غلامی کا کہ آزادی کی دُھن
چند ہی دن میں ہمارا امتحاں ہو جائے گا

اس بشارت کو نہ سمجھو ایک دل خوش کُن قیاس
جس کو سُن کر ہر مسلماں شادماں ہو جائے گا

سچ ہے میرا حرف حرف اور جس کو اس میں شک ہے آج
دیکھ لینا کل مرا ہم داستاں ہو جائے گا

لاہور۔ ۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

میں اور میرا خاندان

حمد ہے ربِّ کعبہ کی وردِ مری زبان کا
جسم سے جس نے استوار رشتہ کیا ہے جان کا

عہدِ الست کا یہ راگ سن لے مرے رباب سے
نغمہ اگر سنا نہ ہو علّمہ البیان کا

سرورِ کائنات کی آن میں آئے گا نظر
جلوہ اگر ہو دیکھنا تجھ کو خدا کی شان کا

اٹھ کے حرم سے رشتہ جوڑ دیریوں کا طلسم توڑ
فجر کے وقت جب پڑے کان میں شور اذان کا

لات و ہبل کی نسل کو پاؤں کے نیچے روند ڈال
فرض یہ پہلے دن سے ہے کعبہ کے پاسبان کا

منزلِ حق کے رہروو سر سے کفن لپیٹ لو
تیغ بکف مجاہدو وقت ہے امتحان کا

خاکِ درِ رسولؐ کے ذرّوں سے جا کے پوچھ لو
گر ہو سراغ ڈھونڈنا تم کو مرے مکان کا

ہے عربی حسب مرا اور عجمی نسب مرا
اس سے زیادہ فخر کیا ہو مرے خاندان کا

جب سے ہوا ہیں نیل پوش سر بفلک کفن بدوش
میری زمینِ شعر میں رنگ ہے آسمان کا

لاہور ۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

بلند شہر کا انتخابی معرکہ

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں بلند شہر کی نشست پر کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی مقابلہ تھا۔ مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت میں مجھے اس نواح کے دورہ کا اتفاق ہوا۔ جب میں کمال پور۔ اکبرپور اور گلاوٹی کے جلسوں میں تقریریں کرنے کے بعد بلند شہر پہنچا تو یہاں بھی ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ یہاں سے مسلم لیگ کے امیدوار کو نوّے فی صدی ووٹ ملنے کی توقع تھی۔ مجھ سے پہلے مولٰنا عنایت اللہ فرنگی محلی اپنی تقریر میں بتا چکے تھے کہ بلند شہر کو سالار مسعود غازی نے آباد کیا تھا۔ اس لئے میری تقریر اس منظوم تمہید سے شروع ہوئی:۔

ملت کی آبرو کا نشاں ہے بلند شہر — ہر اس کے ذرّہ ذرّہ سے پیدا حیاتِ دہر

کشتی ڈبوئی کفر کی جس نے ہزار بار — ہر اس کی بوند بوند اسی دریا کی ایک لہر

خاصیتوں میں اس کی ازل سے تضاد ہے

اپنوں کے حق میں قند ہے غیروں کے حق میں زہر

بلند شہر کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر میں اپنے رفقا کے ساتھ سرِ شام دھان پور

پہنچا۔ سفر کی کوفت نے بہت تھکا دیا تھا۔ دیر سے حقہ بھی نہ پیا تھا اس لئے تکان اور زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ میزبان نے جلد جلد چاء تیار کرائی۔ چاء آئی اور ساتھ ہی حقہ بھی آیا۔ یاروں نے فرمائش کی کہ اس پر کچھ اشعار ہو جائیں۔ میں نے چاء کا ایک گھونٹ پی کر اور حقہ کا ایک کش لگا کر یوں امتثال امر کیا :۔

زندگانی کے لطف وہی تو ہیں صبح کی چاء۔ شام کا حُقّہ
اُس کو کہتے ہیں سلسبیل کی موج اس کو لکھتے ہیں نور کا بُقّہ

اس کے بعد بعض ارباب ذوق نے یہ بے ڈھب فرمائش کی کہ اس زمین میں احرار کے متعلق بھی کچھ ہو جائے۔ غالباً انہوں نے یہ سمجھا کہ اب اس زمین میں کوئی قافیہ نہیں رہا۔ اور مجھے بھی اسی طرح زچ کر دیا جائے گا جس طرح سعدی شیرازی کو ایک قافیہ پیمائی کی محفل میں اس فرمایش سے زک دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ

غنچہ دہانِ من بیا تنگدلی من ببیں!

پر تنگ دلی کے قافیہ کی قید کے ساتھ ایک مصرع لگا دیا جائے۔ ارباب سخن کو معلوم ہے کہ سعدی کی حاضر جوابی نے یہ کوشش معاً یہ کہہ کر اکارت کر دی تھی کہ

بے تو ہنوز زندہ ام سنگدلی من ببیں

اس ادبی نوک جھونک کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے بطور اظہار عجز عرض کیا کہ معاملہ چاء اور حقہ کا ہے اس میں احرار کا کیا دخل۔ اس پر ایک صاحب بولے کہ جب سے مسجد شہید گنج کی تحریک شروع ہوئی ہے احرار نے حقہ پینا بالکل چھوڑ دیا ہے کیونکہ اُن کے دوست سکھ جس طرح مسجد شہید گنج کا نام سُن کر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اُسی طرح بھی حقہ کا نام آتے ہی چراغ

پا ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے چودھری افضل حق نے جو احراری ٹولی کے نفس ناطقہ ہیں پچھلے دنوں حقہ کی مخالفت میں ہنگامہ انگیز مضامین لکھے تھے۔ ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہ احرار کے متعلق ایک شعر ضرور ہونا چاہئیے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ احرار کی شریعت کے امیر مولانا سیّد عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے۔ وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں او کما قال۔ پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے غصّہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ اس پر مَیں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی:۔

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار
کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُفّنگا

دھان پور میں ایک اور لطیفہ ہؤا۔ ابھی چاء پینے سے فراغت نہ ملی تھی کہ مولانا شوکت علی کو جو اس دورہ میں میرے رفیق طریق تھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ جب وہ ادب خانہ سے مست ہاتھی کی طرح جھومتے جھامتے نکلے تو یارانِ سرپل نے کہا کچھ اس پر بھی۔ مَیں نے فی البدیہہ یہ قطعہ عرض کیا:۔

دھان پور آئے جناب حضرت شوکت علی
ہاتھ رکھے قبضۂ شمشیر جوہر دار پر

اس سے وہ شمشیر مراد ہے جو مولانا شوکت علی کو اپنے برادر مرحوم رئیس الاحرار محمد علی جوہر سے ترکہ میں ملی تھی۔

میں نے پوچھا کانگرس کے حق میں کیا کہتے ہیں آپ
ہنس کے بولے کانگرس کو مانتا ہوں دھار پر

دھار سے کچھ اور نہ سمجھ لیجئے گا۔ اس سے یہاں تلوار کی دھار مراد ہے۔

اورنگ آباد بلند شہر کی تحصیل کا ایک بارونق قصبہ ہے۔ میں سید عبد العزیز صاحب کے دولتکدہ پر ٹھہرا ہوا تھا جو علاقہ کے ممتاز رئیس اور مسلم لیگ کے پُرجوش حامی ہیں۔ مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع تھا علی گڑھ، میرٹھ اور بلند شہر کے نوجوان بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کی بدیہہ گوئی کا شہرہ مدت سے سُنتے آئے ہیں۔ جب جاہیں کہ آپ ایک منٹ کے اندر اندر کچھ کہہ دیں۔ میں نے اس فرمائش میں پڑنے سے پہلو بچانا چاہا مگر وہ نہ مانے۔ آخر ذرا سے تامل کے بعد میں نے ان کی فرمائش یوں پوری کی:۔

رحمت اللہ کی ہے قصبۂ اورنگ آباد کیوں نہ توحید کے فرزند یہاں ہوں آزاد
ان کے پیشِ نظر اسلام کی آزادی ہے رکھے اللہ انہیں تا بہ قیامت آباد

مولانا شوکت علی کے ساتھ میں انوپ شہر سے بلند شہر واپس جا رہا تھا۔ مولانا کے موٹر پر مسلم لیگ کا سبز جھنڈا لہرا رہا تھا۔ رستہ میں سرحد کے کچھ گاندھوی سرخ پوش اور چند احراری رضاکار نظر آئے جو کانگرس کے امیدوار کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے بلائے گئے تھے۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ اس موقع پر کوئی شعر ضرور ہونا چاہیئے۔ میں نے فارسی کے ایک مشہور شعر میں تھوڑا سا تصرف کر کے برجستہ کہا:۔

سُرخ پوشے بہ سرِ راہ نظر می آید دولت گر ہوسش ہست بزر می آید

اس پر ایک رفیق سفر بولے کہ لیگ کے رضاکاروں کے باب میں کیا ارشاد ہے

مَیں نے معاً کہا ؎

سبز پوشے بلبِ بام نظر می آید   نہ بزور و نہ بہ زاری نہ بہ زر می آید

انتخابی تگ و دو کے سلسلہ میں ایک موقع پر مولانا شوکت علی مولٰنا عنایت اللہ فرنگی محلی مولانا جمال میاں فرنگی محلی اور چودھری خلیق الزماں کے ساتھ مَیں نواب صاحب چھتاری کی کوٹھی پر قیام پذیر تھا۔ چودھری صاحب کو رات بہت دیر تک جاگنا پڑا۔ اس لئے صبح اُٹھنے میں دیر ہو گئی جب چائے پینے کے لئے آئے تو اس شان کے ساتھ کہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملتے جاتے تھے۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ خلیق الزماں پر کوئی پھڑکتا ہُوا شعر ضرور ہو جائے۔ مَیں نے کہا بہت خوب سُنئے:۔

بخشی گئی ہے دولتِ کون و مکاں مجھے   نہرو اُنہیں ملا تو خلیق الزماں مجھے

مولانا شوکت علی اس شعر کو سُن کر وجد میں آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ ایک اور۔

مَیں نے کہا دوسرا شعر بھی حاضر ہے سُنئے اور سر دُھنئے:۔

دو دو جوانیاں مرے حصّہ میں آئی ہیں
بخشا خدا نے دولت و بختِ جواں مجھے

بلند شہر۔ ۲۲۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

احرار اور مسجد شہید گنج

نرالی وضع کا مومن ہے طبقۂ احرار
کہ سر جھکا ہوا مشرک کے آستاں پر ہے

اس آرزو میں کہ نہرو کسی طرح خوش ہو
نگاہِ خشم سکندر حیات خاں پر ہے

خدا کے گھر کی تباہی میں حصہ دار ہوئے
یہ ظلم اُنھوں نے کیا آپ اپنی جاں پر ہے

اشارہ پا کے اُدھر سے شہید گنج کا شور
کئی دنوں سے ان اشرار کی زباں پر ہے

سنا گیا جو کئی سال دیر کا ناقوس
لگا ہوا وہی کان آج کل اذاں پر ہے

ہمارے قتل کا محضر ہے اُن کے دفتر میں
ہمارے خون کا داغ اُن کی طیلساں پر ہے

وہ برق جس نے جلایا ہمارے خرمن کو
گرائی جانے کو اب اُن کے آشیاں پر ہے

لاہور۔ ۲۳۔ دسمبر ۱۹۳۷ء

یوم محمد علی

۴۔جنوری ۱۹۳۸ء کی شام کو یوم محمد علی کی تقریب پر حبیبیہ ہال (اسلامیہ کالج، لاہور) میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیرِ اہتمام میری صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ حاضرین نے نظم کی فرمائش کی۔ جو فرمائش سے چند منٹ بعد اُن کی نذر کی گئی:۔

دلکش فضا وطن کی محمد علی سے تھی
رنگینی اس چمن کی محمد علی سے تھی

ذوقِ سلیم جس کے مزے بھولتا نہیں
شیرینی اُس سخن کی محمد علی سے تھی

ہیں زندہ جس سے عہدِ کہن کی روایتیں
رونق اُس انجمن کی محمد علی سے تھی

اب تک لگی ہوئی جو کروڑوں دلوں میں ہے
بے تابی اُس لگن کی محمد علی سے تھی

توحید کی رسن نے بتوں کو جکڑ لیا
اور تانت اُس رسن کی محمد علی سے تھی

زندوں کو جس نے مطلع الانوار کر دیا
تابانی اُس کرن کی محمد علی سے تھی

سر پر لپیٹ لیتے ہیں جس کو غزا کے وقت
آرائش اُس کفن کی محمد علی سے تھی

اغیار کی گرفت سے امیدِ مخلصی
شیخ اور برہمن کی محمد علی سے تھی

توحید کے اصول کی حرمت کے ساتھ ساتھ
ذلت ہر اک وثن کی محمد علی سے تھی

لاہور
۴۔جنوری ۱۹۳۸ء

مہا سبھائی بانبی کے سپت کوڑیئے

ہر طرف سانپوں کی پھنکار سُنی جاتی ہے
بانبیوں سے نکل آئے ہیں "ملاپ" اور "پرتاپ"
راہ رو کو ہے ہر رہ سے گزرنا مشکل !
ان کے حملوں سے نہ بچ سکتے ہیں ہم اور نہ آپ
حق سے ہے لاگ جو ان کو تو ہے باطل سے لگاؤ
ان کے نزدیک وہ پُن ہے جسے ہم کہتے ہیں پاپ
سچی باتوں کے چُھپانے میں بڑے ماہر ہیں
جھُوٹی باتوں کو بڑے شوق سے دیتے ہیں وہ چھاپ
کھوپری ان کی ہے اوندھی یہ نہ ہو گی سیدھی
جب تک اس کے لئے ہو گا نہ ہمارا کنٹاپ

لاہور۔ ۱۵۔ فروری ۱۹۳۸ء

ایک مسرّت افروز تقریب

ملک محمد عبداللہ خلف ملک محمد گھسیٹا مرحوم کی رسم کتخدائی ۱۷۔فروری ۱۹۳۸ء کو ہونے والی تھی۔اس سلسلہ میں ایک رقعہ دعوت مجھے ملک فضل الدین صاحب کی طرف سے موصول ہؤا۔چونکہ میں اُس دن لاہور سے باہر چلا جانے والا تھا اِس لئے ذیل کے اشعار کے ساتھ معذرت نامہ بھیج دیا:۔

حُسن کا اور عشق کا بندھنے لگا ہے آج عقد
ہو رہی ہے پُختہ بُنیاد ان کے رسم و راہ کی
گلفشاں ہے نوبہار اور ضو فشاں ہیں مہر و ماہ
پالکی میں نو عروس آئی ہے عبداللہ کی
یاد یاروں کو رہے یہ میمنت مانوس دن
فروری کی سترہ، تاریخ ہے اس بیاہ کی

لاہور-۱۷-فروری ۱۹۳۸ء

نوجوانانِ اسلام کو پیام

قدم اسلام کے رستہ میں بڑھاتے جاؤ
جس قدر سنگِ گراں آئیں ہٹاتے جاؤ

عزتِ ملّتِ بیضا کی حفاظت کے لئے
دوش پر لاکھ بھی سر ہوں تو کٹاتے جاؤ

صلح کے نام سے دھرتے ہوں وہ گر کان پہ ہاتھ
تو اُنہیں جنگ کا پیغام سُناتے جاؤ

تم مسلماں ہو کرو پرچمِ توحید بلند
شرک اور کفر کی بُنیاد کو ڈھاتے جاؤ

لاہور - ۱۷ - فروری ۱۹۳۸ء

میواتیوں کی شان

علاقہ میوات کے مرکز پنہانہ میں ایک بہت بڑا اسلامی جلسہ تھا۔ مجھے اور مولوی مظہر الدین مرحوم مدیر "الامان" دہلی کو اس جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ جب میں یہاں پہنچا تو ایک بہت بڑا طبل جنگ بج رہا تھا اور اس کی آواز پر میوات کی دیہاتی آبادی لٹھ باندھے جلوس میں شریک ہونے کی غرض سے جوق در جوق آ رہی تھی۔ یہ نظارہ بہت ہی پُر کیف تھا۔ جلوس سے فارغ ہو کر جب ہم قیام گاہ پر واپس پہنچے تو احباب کی طرف سے کچھ اشعار کی فرمائش ہوئی جو اس طرح پوری کی گئی :۔

کہوں کیا تجھ سے ہمدم کیا ہیں پنہانہ کے میواتی
مسلماں ہیں لگی لپٹی انہیں رکھنی نہیں آتی

کسی کے منہ پہ سچی بات کہنے سے نہیں ڈرتے
جبھی تو اُن سے گاندھی جی کی جاتی بھی ہے گھبراتی

نظر آتی ہے وہ رونق مجھے اُن کی جبینوں پر
کہ بارش نورِ صبح اولیں کی بھی ہے شرماتی

رسولؐ اللہ کی عزت پہ کٹ مرنا سکھا دیں گے
کھلیں گے جس دن ان میواتیوں کے جوہر ذاتی
الٰہی مرحمت کر استقامت اُن کی ہمت کو
ہماری شوکت شاہانہ کی جو ہے خبر لاتی
جواہر لال نہرو کان دل کے کھول کر سُن لیں
کہ مسلم لیگ کے حامی ہیں شہری اور دیہاتی
یہی دو چار دن ٹرائیں گے پھر آپ چُپ ہونگے
کہ یہ سب کانگرس کے مولوی مینڈک ہیں برساتی

پنہانہ (میوات)

۵۔ مارچ ۱۹۳۸ء

گوندل

مارچ ۱۹۳۸ء میں علاقہ چھچھ کا دورہ کرتے ہوئے مجھے گوندل (ضلع کامل پور) جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں کامل پور اور علاقہ چھچھ کے دوسرے مقامات کے ذوقِ شعر رکھنے والے بعض احباب جمع تھے۔ ان کی فرمائش پر اشعار ذیل ارتجالاً موزوں ہو گئے:۔

ہے تقاضا مجھ سے کامل پور کے احباب کا
کھینچ کر رکھ دوں میں سنّا شعار میں پنجاب کا

میرے آ گئے ہیں اٹک کی موج ہائے رنگ رنگ
نشہ ہے جن کی روانی میں شرابِ ناب کا

غرق جن میں ہو رہے ہیں چھچھ کے سب حق پسند
اولیں حق کشتیٔ باطل پہ تھا گرداب کا

خیلِ باطل کو پرستارانِ حق نے دی شکست
پھر گیا آنکھوں میں نقشہ غزوۂ احزاب کا

رنگ جمنے کو ہی پھر اہلِ نظر کی آنکھ میں
مسجدِ لاہور کے منبر کا اور محراب کا

گوندل۔ ۱۸۔ مارچ ۱۹۳۸ء

مولوی فضل الحق صدرِ اعظم بنگال

۱۶۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں مسلمانوں کا ایک جلسۂ عام بصدارت مولانا شوکت علی منعقد ہوا۔ ضروریاتِ حاضرہ کے لحاظ سے ایک نئی نظم کی فرمائش صدر کی طرف سے ہوئی جسے چند منٹ میں یوں پورا کیا گیا:۔

میں فضل الحق کے حق میں اس سے بڑھ کر اور کیا کہہ دوں
کہ اُس کے دیکھ لینے ہی سے ایماں تازہ ہوتا ہے

وزارت اُس کی سارے ہند کو اک دن بتا دے گی
پریشاں کانگرس کا کس طرح شیرازہ ہوتا ہے

بصیرت جن کو حاصل ہے نظر آ جائے گا اُن کو
کہ کلکتہ میں بند اب کفر کا دروازہ ہوتا ہے

بنائی خوب ہی گت حافظ ابراہیم کی ہم نے
ہر اک غدّارِ ملّت کا یہی خمیازہ ہوتا ہے

وہ سُرخی عارضِ ملّت پہ جو رہ رہ کے جھلکے گی
شہیدوں کے جمال افزا لہو کا غازہ ہوتا ہے

سکندر اور جینا قوم کی آنکھوں کے تارے ہیں
اسی سے شوکتِ اسلام کا اندازہ ہوتا ہے

شہید سہروردی کو بنایا ساربان ہم نے
رواں کس شان سے اسلام کا جمازہ ہوتا ہے

آہ! اقبال

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پہ ہے قیامت کا گزرنا

کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا

تھا اُس کے تخیّل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو اُبھرنا

ہر روز دیا اُس نے مسلماں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا

ملّت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

کلکتہ

۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء

شانِ مصطفویؐ

دیکھی نہیں کسی نے اگر شانِ مصطفےٰؐ
دیکھے کہ جبرئیل ہے دربانِ مصطفےٰؐ

لطفِ خدائے پاک کی تصویر کھنچ گئی
پھرنے لگے جب آنکھ میں احسانِ مصطفےٰؐ

پھیلا ہوا ہے اسود و احمر کے واسطے
صحنِ عرب سے تا بہ عجم خوانِ مصطفےٰؐ

اسلام کا زمانہ میں سکّہ بٹھا دیا
اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفےٰؐ

رکھے وہ یاد خسرو و پرویز کا مآل
پہنچا ہو جس کے ہاتھ میں فرمانِ مصطفےٰؐ

میرے ہزار دل ہوں تصدّق حضورؐ پر
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفےٰؐ

رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفےٰؐ

لائے نہ کیوں یہ نغمہ ملائک کو وجد میں
گاتا ہے جس کو بلبلِ بستانِ مصطفےٰؐ

امرتسر کی انتخابی جنگ

اسلام کا ٹکٹ

ہے لیگ[1] کا اُدھر، اِدھر اسلام کا ٹکٹ
وہ نام کا ٹکٹ ہے یہ ہے کام کا ٹکٹ

احرار ہوں کہ کانگریسی ہوں سب ایک ہیں
دونوں کے دونوں لے کے چلے رام کا ٹکٹ

احرار کٹ کے نور سے ظلمت میں جا ملے
وہ صبح کا ٹکٹ تھا یہ ہے شام کا ٹکٹ

الہام کا ٹکٹ ہمیں کعبہ سے مل گیا!
وہ لائے سومنات سے اوہام کا ٹکٹ

میرا ٹکٹ مجھے مرے اللہ نے دیا
اُن کو اگر ملا بھی تو اصنام کا ٹکٹ

آزادیٔ وطن انہیں ہوگی کہاں نصیب
جن کو ملا ہو گردشِ ایام کا ٹکٹ

اسلام کے ٹکٹ کا اُڑائیں گے جو مذاق
دوزخ کو لے کے جائیں گے بے دام کا ٹکٹ

[1] یہاں مسلم لیگ سے مراد پنجاب مسلم پارلیمنٹری بورڈ ہے جس نے مسلم لیگ سے بغاوت کر کے مسلم لیگ کے نمائندہ کو لیگ کا ٹکٹ نہیں دیا اور میں نے مقاصد انتخاب کے لئے پروپیگنڈا کے طور پر اُسے اسلام کا ٹکٹ دے دیا جس نے اُسے کامیاب کرا کر چھوڑا۔

اڑیسہ اور لندن

نیول چیمبرلین کی حکمت عملی کا انجام

اُڑتی سی خبر تار پہ آئی ہے کٹک سے
برطانیہ کے بنگلہ کی چھت اُڑ گئی بھک سے

جس بم کے دھماکے سے یہ آفت ہوئی برپا
لم اُس کی کوئی پوچھ لے سر جان ہبک سے

ہندو کی سیاست سے ہوا لرزہ براندام
انگریز جو کانپا نہیں توپوں کی شلک سے

برطانیہ کا شیر اب اس حال کو پہنچا
جنگل میں بپھرتا ہے تو بکری کی ہمک سے

کچھ روز میں آنے کو ہے اسلام کی باری
سُنتا ہوں فلک کی یہ ندا اوجِ فلک سے

جو خرمن باطل ہے وہ جل جائے گا اک روز
توحید کے اُٹھتے ہوئے شعلوں کی لپک سے

کھینچا مرے خامہ نے مرقع میں یہ خاکہ
کرنا ہے دُرست اس کو مجھے نوک پلک سے

بھیجا ہے کٹک سے مجھے جو نامہ صنم نے
دُوں گا میں جواب اُس کا لبِ جوئے اٹک سے

لاہور - ۵ مئی ۱۹۳۸ء

نالۂ جاں سوز

وہ جو کل ارجمند تھے ہو گئے آج کیوں ذلیل
جا کے یہ نکتہ پوچھ لے حلقۂ اہلِ راز سے

شرعِ نبیؐ کی آبرو دیکھتے دیکھتے گئی
جب سے ہیں بے نیاز ہم رابطۂ حجاز سے

مولویوں کو دیکھ لے مالویوں کی بزم میں
برہمنوں کا نغمہ سُن یثربیوں کے ساز سے

خونِ عرب سے لالہ رنگ ہو گئی قدس کی زمیں
ہند میں کچھ نہ بن پڑا جانِ بہانہ ساز سے

گُنبدِ کانگرس سے آج گونج رہی ہے یہ صدا
نیشنلسٹ ہے وہی ضد ہو جسے نماز سے

اب بھی نہاں ہیں لاکھ حشر آنکھ کے ایک گوشہ میں
لیکن انہیں جگائے کون بسترِ خوابِ ناز سے

میکدہ کے طواف کا مجھ کو بھی اشتیاق ہے
خُم ہو مگر بھرا ہوا بادۂ خانہ ساز سے

رات یہ کانپور میں عشق نے حُسن سے کہا
غزنویانِ بمبئی کیوں ہیں خفا ایاز سے

۲۲ مئی ۱۹۳۸ء

بزمِ احباب

جون ۱۹۳۸ء میں مجھے سفر بمبئی کا اتفاق ہوا۔ زمانہ قیام بمبئی میں متعدد زندہ دل نوجوانوں سے ملنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ ان میں ایک صاحب دوق نوجوان محمد امین آزاد بھی تھے جن کی فرمائش پر نظم ذیل سپرد قلم کی گئی :-

کل ایک بزم میں مجمع تھا نوجوانوں کا
مخاطب اُن سے ہوا اس طرح امین آزاد

نہ جب تک اس میں رہے گا مسلماں کا
کبھی بھی ہو نہ سکے گی یہ سرزمین آزاد

ہنود رہ نہیں سکتے بدیشیوں کے غلام
اگر ہو قشقہ سے اس قوم کی جبین آزاد

چھپے ہوئے ہیں ہزاروں بُت آستینوں میں
خدا کرے کہ بُتوں سے ہو آستین آزاد

ابو الکلام کو دُنیا کی فکر لے ڈوبی
مجھے یہ غم کہ کسی ڈھنگ سے ہو دین آزاد

کفن لپیٹ کے سر سے جو حق پرست اُٹھیں
تو یک بیک ہوں فلسطین و ہند و چین آزاد

بمبئی۔ ۲۰ جون ۱۹۳۸ء

مالیگاؤں

مالیگاؤں صوبۂ بمبئی میں ایک اسلامی مرکز ہے۔ مسلمانوں کی آبادی اس قصبہ میں بائیس ہزار اور ہندوؤں کی دس ہزار ہے۔ اردو تعلیم کا گھر گھر چرچا ہے۔ بلدیہ اپنی آمدنی کا نصف حصّہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔ علاوہ اُن مدارس و مکاتب کے جو لڑکوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک نہایت شاندار اور بارونق مدرسہ موجود ہے۔ دینی تعلیم کا بھی اچھا انتظام ہے۔ اس علاقہ کے ایم۔ ایل۔ اے خانصاحب عبدالرحیم ہیں جو مسلم لیگ کے ممتاز رکن اور اسلامی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ شعر و شاعری سے بھی خاصہ ذوق ہے۔ مسلمانانِ مالیگاؤں کی دعوت پر جب میں وہاں گیا تو ایک ادبی محفل میں مقامی شعرا نے اچھی اچھی نظمیں پڑھیں اور مجھ سے بھی اپنا کلام سنانے کی فرمائش کی۔ میں نے اُسی وقت [illegible] کی فرمائش پوری کی:—

رات تھی تاروں بھری خاموش تھی سب کائنات
میں بھی تنہا بیٹھا ہوا تاروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں

جا ملا تھا ماسوا سے کٹ کے میں اللہ سے
تاج آزادی تھا سر پر سلطنت تھی پاؤں میں

باندھ کر ستّو نکل آیا ہوں اپنے گھر سے میں
میری گنتی مسٹروں میں ہے نہ مولاناؤں میں

مسلم بکیں اُدھر اور ہندو انگریز اِدھر
بٹنے والی ہے غلامی ان کی دو آقاؤں میں

جانتا ہے پہلواں اسلام کا سب داؤں پیچ
ہم کو گاندھی جی نہیں لا سکتے اپنے داؤں میں

شیر فضل الحق ہے اور ہے بھیگی بلّی کانگریس
آپڑی ہے بحث اُس کی گونج اور اس کی میاؤں میں

مسجدوں سے اُٹھ کے غیرت عالمِ اسلام کی
خطرہ کی گھنٹی بجانے آئی ہے گرجاؤں میں

اے مسلماں دیکھتا کیا ہے کفن سر سے لپیٹ
اور نکال اپنی جگہ گیتی کے بزم آراؤں میں

شہر کی تہذیب الگ ہے گاؤں کی تہذیب الگ
حل کیا یہ نکتہ آ کر میں نے مالیگاؤں میں!

مالیگاؤں - ۲۱ - جون ۱۹۳۸ء

منماڑ

بمبئی سے مالیگاؤں اور اڈونا اور منماڑ ہوتے ہوئے جب میں بہ قصد مراجعت پنجاب ریل
پر سوار ہوا۔ تو منماڑ کی طرف منہ کر کے اُسے ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

کہہ رہا ہے یہ ہر اک ذرّۂ خاک منماڑ
اے مسلمان اُٹھ اور پرچمِ دیں ہند میں گاڑ

میں نے مانا کہ بلاؤں نے ہے گھیرا تجھ کو
اور ترے سر پہ معلّق ہیں مصیبت کے پہاڑ

دیکھتے دیکھتے افغان کی فطرت بدلی
کانگریس جا کے بنا آئی پٹھانوں کو کراڑ

صدقۂ رحمتِ شاہِ دو سرا ہیں لیکن
آج بھی بند نہیں تجھ پہ عزیمت کے کواڑ

حیدر آباد دکن سے درۂ خیبر تک
شورِ تکبیر مچا اور درِ خیبر کو اکھاڑ

اے کہ مرحب فگنی تیری روایات میں ہے
مسولینی کو مسل پاؤں میں ہٹلر کو پچھاڑ

اے کہ توحید کا کس بل ہے ترے بازو میں
کشورِ دیں کو بسا کفر کی نگری کو اجاڑ

دیکھ کر برہمن و شیخ کو میں کیوں نہ کہوں
ایک یہ ہے کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ

ایک وہ ہے جسے تصویر بنا آتی ہے

منماڑ۔ ۲۲۔ جون ۱۹۳۸ء

جھکڑ اور آندھی

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے

منہ پر ہے صدا آزادی کی اور دل میں ہے شوق غلامی کا
اکھڑی تھی ہوا انگریزوں کی ان دونوں نے مل کر باندھی ہے

بمبئی
۳۔جولائی ۱۹۳۸ء

ہندو دولھا اور مسلمان دُلہن

مسلماں بہو کے شنکر لال کے بیٹے کے گھر آئی
دیا ایشر کی ہے عبّاس طیب جی کی پوتی پر

مسلماں کا پٹھا تہمد نہ کچھ بھی اُس کے کام آیا
نچھاور ہو گئی شرع نبیؐ زرتار دھوتی پر

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینہ کے
کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر

۸ جولائی ۱۹۳۸ء

کھاریاں

کھاریاں (ضلع گجرات پنجاب) میں ایک شاندار اسلامی جلسہ منعقد ہوا۔ مجھے خاص طور پر دعوت شرکت دی گئی تھی۔ میری قیام گاہ پر مسٹر محمد شریف چشتی ایم۔ اے (علیگ)، شیخ حبیب اللہ گجراتی، حکیم محمد عبد اللہ نصر، پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حکیم عنایت اللہ نسیم، حکیم ملک محمد امین اور بعض دوسرے ارباب ذوق جمع تھے۔ سب کا اصرار ہوا کہ کھاریاں کے قافیہ پر ایک نظم ہونی چاہیئے۔ محمد شریف قلم دوات کاغذ لے کر بیٹھ گئے۔ میں لکھاتا گیا اور وہ یہ نظم لکھتے گئے :۔

ہند میں ملت کو پیش آتی ہیں جو دشواریاں　　باعث اُن کا ہیں خود اپنی ہی غلط کرداریاں

جانتے باطل پرستوں سے پرستاران حق　　پیشوائی کو نکل آئیں نہ کیوں پھر خواریاں

طوقِ استعمارِ مغرب خود کیا زیب گلو　　اور گواہ اس پر ہیں مرزا کی پچاس الماریاں

جنسِ ایماں کوڑیوں کے بھاؤ کاشی میں بکی
خود فروشی آ گئی جاتی رہیں خود داریاں

اے کہ دیں کی سادگی کا کر چکا نظارہ تُو
کھول آنکھ اور دیکھتا چل کُفر کی عیاریاں

شیخ مسجد سے چلا چھکڑے میں ساماں لاد کر
برہمن مندر سے نکلا لے کے برقی لاریاں

گو بجتے تھے جن کچھاروں میں کبھی جنگل کے شیر
گیدڑ اُن میں مارتے ہیں آج کل قلقاریاں

ہو رہی ہے کانگرس کی ساز باز انگریز سے
کیا ہی آزادئ کامل کی ہیں طیاریاں

لا سکیں گی تا کجے قدرت کی تعزیروں کی تاب
اے توانا تُو تمہاری ناتواں آزاریاں

گر مسلماں ہے تو گردن حق کے رستہ میں کٹا
کاش گوشِ ہوش سے سُن لے یہ نکتہ کھاریاں

کھاریاں
۴۔ جولائی ۱۹۳۸ء

لالہ خوشحال چند خورسند مدیر "ملاپ"

(۱)

جب کہ مقصد ہو گئو ماتا کے بچھڑوں کا ملاپ
دیس کے بچھڑے ہوؤں کو کب ملا سکتے ہیں آپ

ہو جن افواہوں سے دو ہمسایہ قوموں میں فساد
بے تکلف آپ انہیں اخبار میں دیتے ہیں چھاپ

ہیں کھویا آپ جس کے ہی وہ اک کاغذ کی ناؤ
آپ لے ڈوبیں گے جس کو بھر کے بھارت بھر کے پاپ

(۲)

گالی کبھی ہم کو دیتے ہیں پھبتی کبھی ہم پر کہتے ہیں
لاہور کی بزمِ صحافت میں اس وضع کے کچھ نقال بھی ہیں

ہر گالی پہ پیسہ ملتا ہے ہر پھبتی پہ باچھیں کھلتی ہیں
یہ مشغلہ جب سے اُن کا ہے "خورسند" بھی ہیں "خوشحال" بھی ہیں

(۳)

بہاولپور میں جا کر دکھا آئے
ہمیں تہذیب کاشی کا تماشا

پلائی گر مسلماں نے بھی اک ڈانٹ
خطا ہو گا مہاشہ جی کا تماشا

(۴)

مسلمانوں سے ضد ہے لالہ جی کو روز ازل سے
کبھی اُلجھے وہ جِنّا سے کبھی برسے سکندر پر

مَیں اس ضد کی رو پہلی مصلحت کی داد دیتا ہوں
کہ روٹی کا کما کھانا بھی لازم ہے مچھندر پر

(۵)

برہمن کھا نہیں سکتا بہاولپور کے لڈّو
وہ جا کر کھائے گا کاشی میں موتی چُور کے لڈّو

اُسے اسلام سے نسبت اسے اصنام سے نسبت
یہ ہیں نزدیک کے لڈّو تو وُہ ہیں دُور کے لڈّو

(۶)

لاہور آ کے دیکھ لو خوشحال چند کو
کرنی ہو گر نہیں کسی چکنے گھڑے کی سیر

گھر بیٹھے کہہ جب وہ خبر گھڑ لیا کریں
کیا فائدہ کہ لالہ کریں کانگڑے کی سیر

(۷)

بھارت کے دیر ہو نہیں سکتے وفا پرست
جب تک اُنہیں خدا نہ کرے گا خدا پرست

جتنے وطن پرست ہیں ہندوستان میں
دیکھا جو غور سے تو ہیں سب مُدّعا پرست

اے ربِّ کعبہ تیری پرستش یہاں کہاں
کوئی ہُبَل پرست ہے کوئی صفا پرست

لاہور - ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

انبالہ

انبالہ میں پانی کی اس درجہ کمی ہے کہ گرمیوں میں اس پر کربلا کا گمان ہونے لگتا ہے ہیں

مسلمانانِ انبالہ کی محبت بھری دعوت پر ۱۰ اپل جولائی ۱۹۳۸ء میں انبالہ پہنچا سٹیشن

سے موٹر پر سوار ہو کر ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ جب آہستہ آہستہ روانہ

ہوئے تو دھوپ کی تیزی ناقابلِ برداشت تھی اور اہلِ جلوس العطش العطش پکار

رہے تھے۔ منتظمین جلوس نے اگرچہ جابجا پانی اور شربت کی سبیلیں لگا رکھی تھیں لیکن

اتنے بڑے جلوس کی پیاس بجھانے کے لئے زیادہ پانی کی ضرورت تھی جس کی فراہمی

کو بلدیہ کی بے پروائی اور خست مانع آئی۔ لطف بالائے لطف یہ کہ موٹر کے ریڈیٹر کا

پانی گرم ہوتے ہوتے اُبلنے لگ گیا۔ اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے آبِ سرد کی ضرورت

تھی مگر آبِ سرد کہاں سے آتا۔ ایک زندہ دل مسلمان نے کہا کہ پانی نہیں ہے تو

سکنجبین ہی سے موٹر کی پیاس بجھائیے۔ اس شاعرانہ فقرے نے طبیعت کے

لئے اشعار ذیل کی موزونیت کا سامان کر دیا:

(۱)

انبالہ آکے دیکھ لو شانِ موحدین
پہنچا ہے حق سے عین تنک اس سلیقہ کا یقین

غیر از خدا کسی سے مدد مانگتے نہیں
مل کر پکارتے ہیں کہ ایاک نستعین!

انبالہ کی ثنا میں ہے مومن بھی تر زباں
پانی جو ٹھہر گیا تو انڈیلا سکنجبیں!

کیوں تنگ ہو رہی ہی مسلماں غریب پر
ان وسعتوں کے ساتھ خدایا تری زمیں

نہرو کو جا کے کوئی یہ میرا پیام دے
دنیا بڑی ہے اس سے بھی لیکن بڑا ہی دیں

(۲)

جس سے رونق بڑھ گئی پنجاب کی انبالہ ہے
بیچ میں ہے چاند اور گرد اس کے زریں ہالہ ہے

آج کرنی ہے مجھے دو ضیغمستانوں کی سیر
اک طرف پنجاب ہے اور اک طرف بنگالہ ہے

کیوں نہ دیجے مرتبۂ عمراں سے نسبت لیگ کو
جان مل کر سامری اور کانگرس گوسالہ ہے

جن کو آنکھیں دی گئی ہیں دیکھ لیں ایک دن
مشتِ خس ہے کفر اور دیں شعلۂ جوالہ ہے

شیخ ہے ہندوستاں میں پا بگل مانندِ سرو
اور برہمن اس گلستاں کا لکتا لالہ ہے

انبالہ۔ ۱۲۔ جولائی ۱۹۳۸ء

ہزارہ میں مسلم لیگ کی انتخابی فتح

جب جیت لیگ کی ہوئی اور کانگرس کی ہار
روتی تھی سر پکڑ کے "گورمنٹ خان" کی

گاندھی بھی رو رہے تھے یہ کہہ کر کہ ہائے ہائے
سرحد میں ناک کٹ گئی ہندوستان کی

جتنی بھی دھوتیاں تھیں وہ سب ڈھیلی ہو گئیں
کیا بات ہے پھٹے ہوئے تہمد کی شان کی

شوکت علی کے جاتے ہی آیا اک انقلاب
رنگت معاً بدلنے لگی آسمان کی

میداں میں جم سکا نہ قدم سرخ پوش کا
جس وقت سر پہ آئی گھڑی امتحان کی

اسلام نے ہزارہ میں اعلان کر دیا
فطرت کبھی بدل نہیں سکتی پٹھان کی

اُردو کو میں نے زندہ جاوید کر دیا
ہندوستاں میں دھوم ہے میری زبان کی

کرم آباد - ۱۴ - جولائی ۱۹۳۸ء

قانونِ وقت کا رنگ

ہیں لالہ جو کالے تو ہے قانون بھی کالا

سود در سود کی لعنت تھی مسلّط ہم پر
آخر اللہ کے احساں نے اسے ٹالا ہے

سود خواروں کے ستم اور جفا کی روداد
پوچھ لو اُن سے پڑا ان سے جنہیں پالا ہے

سر سکندر کی حکومت پہ خدا کی رحمت
جس نے اِس مظلمہ کا خاتمہ کر ڈالا ہے

جن تدابیر سے ہوتا تھا کسانوں کا بھلا!
اُس نے قانون کے سانچے میں انہیں ڈھالا ہے

سود خواروں نے ہر اک شہر میں کی ہے ہڑتال
سارے بنیوں کی دکانوں میں پڑا تالا ہے

غم ہے اس کا کہ ہُوا کس لئے مہنگا وہ لہو
آج تک جس نے ہر اک لالہ کا گھر پالا ہے

غم ہے اس کا کہ زمیندار ہے کیوں خوشحال
بول انصاف کا پنجاب میں کیوں بالا ہے

سنے لالاؤں کے نالے، تو سکندر نے کہا
جو کسی ڈھب سے نہ سرکا یہی پرنالہ ہے

گھر مہاجن نے اُجاڑا تھا زمینداروں کا
اب خود اُس کا بھی نکل جانے کو دیوالہ ہے

جب ہیں خود لالہ بھی کالے تو شکایت کیسی
رنگ پنجاب کے قانون کا گر کالا ہے!

۲۰ جون ۱۹۳۸ء

میر غلام بھیک نیرنگ سے دو دو باتیں

جا کے صبا یہ عرض کر میر غلام بھیک سے
کہہ رہی ہے پکار کر دین متیں کی تمکنت
حصّہ میں جن کی آئی ہوں مُطلبی روایتیں
نعرہ شہید گنج کا اُٹھ کے بلند کیجئے

فخر ہو جن کو فقر پر کیا انہیں کام بھیک سے
آپ کی خانہ زاد ہے ایک جہاں کی سلطنت
گردشِ روزگار سے کیوں ہوں انہیں شکایتیں
دین میں رخنہ پڑ گیا رخنہ کو بند کیجئے

سر سے کفن لپیٹ کر آئیے رزم گاہ میں
سرورِ کائنات ؐ کے کوکبہ کی پناہ میں

۲۴۔ جولائی ۱۹۳۸ء

لدھیانہ

سُنتا ہوں مرکزِ علما لدھیانہ ہے — جس کی گلی گلی میں انہیں کا فسانہ ہے
لیکن یہ کیا کہ نغمۂ توحید کی بجائے — اُن کی زباں پہ برہمنوں کا ترانہ ہے
گر بام خانہ ہے تو کلس سومنات کا — اور ہر دوار اُن کے لئے صحن خانہ ہے
ہیں سیم و زر سے مصلحتیں اُن کی ہم کنار — جن کا کفیل گاندھیوں کا خزانہ ہے
صُورت تو مومنانہ ہے بیشک حضور کی — سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندوانہ ہے
بڑھنے لگی ہے اب جو مسلماں سے رسم و راہ — شُدھی کا ہو نہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے
کیوں آستانِ غیر پہ اس کو جھکاؤں میں — یا رب یہ سر ہے اور ترا آستانہ ہے
اے برق کیا مجھے تری چشمک زنی سے خوف — برتر ز شاخِ سدرہ مرا آشیانہ ہے

جب ہم محمدؐ عربی کے غلام ہیں
کیا غم اگر خلاف ہمارے زمانہ ہے

۲۶۔ جولائی ۱۹۳۸ء

صندل ہال شملہ

صندل ہال شملہ میں مقامی انجمن اسلامیہ کی طرف سے ایک تعلیمی جلسہ ہُوا۔ اکابرو اعیان شملہ مدعو تھے۔ مسٹر جینا بھی بلائے گئے تھے۔ اُن کی تقریر کے بعد میری تقریر ہوئی جس کی تمہید ذیل کے برجستہ اشعار تھے :۔

دیا یہ درس صندل ہال میں جینا نے یاروں کو ۔۔۔ تمہیں مرنا نہ آئے گا تو جینا بھی نہ آئے گا

مسلمانو مسلماں نام ہی کے ہو تو سُن رکھو ۔۔۔ تمہارے کام مکّہ اور مدینہ بھی نہ آئے گا

سمندر کو نہ چیرو گے خدا کا نام اگر لے کر

یقیں مانو کہ ساحل تک سفینہ بھی نہ آئے گا

شملہ

اگست ۱۹۳۸ء

سر چھوٹو رام کا ترانہ

ہو گئی جاٹ اور بنیے میں جھڑپ　　قصّہ سُنئے اس کا چھوٹو رام سے
ہل چلاتا ہے وہ، لیتا ہے یہ سُود　　کام دونوں کو ہے اپنے کام سے
مَیں ہوں جاٹ اس واسطے بنیے مجھے　　دے رہے ہیں نسبتیں اسلام سے
سُود کی لعنت سے مَیں بیزار ہُوں　　ساتھ ہی اس قوم خوں آشام سے

جاٹ ہُوں بیشک مگر ہندو نہ تو ہوں
ضد ہے پھر کیوں ان کو میرے نام سے

۵ ستمبر ۱۹۳۸ء

سکندری

جناں کی حور ہے کیا قاف کی پری کیا ہے
بتانِ ہند سے سیکھیں کہ دلبری کیا ہے

اگرچہ کھیر بھی اور پنت بھی ہیں آئینہ ساز
بتائے کون انہیں جا کر سکندری کیا ہے

یہ نکتہ زادۂ توحید ہی کرے گا حل
کلاہ داری و آئینِ سروری کیا ہے

قبا ہو خرقہ کے نیچے تو اُن کو ہو معلوم
کہ پارسائی ہے کیا اور قلندری کیا ہے

مہا سبھائیوں سے کہہ رہے تھے گاندھی جی
منافقت نہیں جس میں وہ لیڈری کیا ہے

ہو لاگ لیگ سے لیکن ہو کانگریس سے لگاؤ
بتاؤ تو بجز اس کے گورنری کیا ہے

کسی بہانہ سے گر شیخ و برہمن مل جائیں
تو مغربی صنموں کی فسونگری کیا ہے

سخنوری میں نظیری نہیں ہے میری نظیر
مرے مقابلہ میں آج انوری کیا ہے

۵ ستمبر ۱۹۳۸ء

سندیلہ

مسلمانانِ سندیلہ ضلع ہردوئی کی محبّت بھری دعوت مجھے کشاں کشاں سندیلہ لے گئی۔ جہاں سید اعزاز رسول صاحب تعلقدار سندیلہ نے مسلم لیگ کے اغراض اور مقاصد کے نشر کے لئے ایک شاندار سیاسی اور صنعتی کانفرنس کا اہتمام وسیع پیمانہ پر کیا تھا۔ نظم ذیل میرے سفرِ سندیلہ کی یادگار ہے۔

شکایت یہ مجھ کو تھی دورِ فلک سے — کہ آٹا مرا مفلسی میں ہے گیلا

سُنا مجھ مسلمان سے جب یہ شکوہ — تو غصّہ میں آکر پکارا سندیلہ

گیا بھول تو کب سے اپنے خدا کو — ترا فرض تھا فاتخذہ وکیلا

اُسی روز سے تیری یہ گت بنی ہے — ہُوا پیچ جب سے شریعت کا ڈھیلا

نبیؐ کی طرح اُٹھ اور اللہ سے مل — برمزِ قم اللیل الا قلیلا

حریفوں کی کثرت سے کیوں ڈر رہا ہے — ترے پیرہن کا ہے جب رنگ نیلا

سُناتا ہوں کعبے کے شیدائیوں کو
سندیلہ میں آکر یہ نغمہ رسیلا

سندیلہ ۔ ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء

ہردوئی

۱۶۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مقامی مسلمانوں کی دعوت پر میں ہردوئی گیا۔ اس تقریب پر مولانا آزاد صمدانی نے ایک پرتکلف عصریہ کا سامان کیا جس میں ہردوئی کے اعیان بالکابر شریک تھے۔ میں جہاں جاتا ہوں اشعار کی فرمائش میرے ساتھ ساتھ جاتی ہے یہاں بھی سخن سنج حضرات کی طرف سے کسی برجستہ نظم کا تقاضا ہوا۔ اشعار ذیل اس تقاضے کا جواب تھے۔

ہیں قائم جس عقیدے پر مسلمانانِ ہردوئی ہے خوشنودی خدا کی اور پیمبر کی رضا جوئی

پڑی جب کان میں اسلام کے نقارہ کی دوں دوں تو سر پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر کانگریس روئی

جنھوں نے چھوڑ کر اپنوں کو رشتہ غیر سے جوڑا سُنا دے اُن کو یہ پیغام مسلم لیگ کا کوئی

سوادِ اعظمِ ملت سے کٹ کر تم نے کیا پایا بجز اس کے کہ توقیر اپنی اپنے ہاتھ سے کھوئی

میں تھا مجبور ان اشعار بجاں پرو کے کہنے پر
کہ تھی مدِ نظر آزاد صمدانی کی دل جوئی

ہردوئی (یو۔پی) ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء

مردان

مسلمانانِ مردان (صوبہ سرحد) کی دعوت پر میں مردان مسلم لیگ کانفرنس میں ۲۲۔اکتوبر ۱۹۳۸ء کو شریک ہوا۔ اس کانفرنس کی کامیابی کا سہرا یہاں کے رئیس اعظم خان فتح محمد خاں کے سر رہا جن کی فرمائش پر یہ نظم سپرد کاغذ کی گئی۔

رحمتِ ربِّ کعبہ کا مظہر گر نظر آتا ہے مردان
ایک ہی اس کا باعث ہے اور وہ ہیں فتح محمد خان

قوم جو مردہ ہو ہی چلی تھی اُس کے جسم میں ڈالی جان
بھول نہیں سکتے کبھی ہم اس مردِ مجاہد کے احسان

دل کے کانوں کو کھول کے سن لیں صوبہ سرحد کے افغان
خان کی گنگا جمنی ہو زارت چند ہی دن کی ہے مہمان

مرحمت اپنے فضل سے یا رب تو نے کیا ہے گر ایمان
بخش ہمیں توفیقِ عمل بھی تاکہ ہو ہر مشکل آسان

فتح مبیں کے ہو گئے ضامن جب اسلام کے پانچ ارکان
پھر چمنِ نصرت کیوں نہ اٹھائیں جانِ بازانِ ہندوستان

ہندِ طول و عرض میں ہم نے آج کیا ہے یہ اعلان
ملک میں ڈنکہ بجائے گا لب نے ہی لاہے قرآن

ہم ہیں مسلماں باندھ چکے ہیں اپنے خدا سے یہ پیمان
ہم ہی سے قائم سارے جہاں میں صلح و سلام اور امن و امان

مردان۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء

امرتسر کی انتخابی آویزش

حلقہ امرتسر کی انتخابی کش مکش میں تین امیدواروں کا مقابلہ تھا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کانگریس کی طرف سے، چودھری افضل حق احرار کی طرف سے اور شیخ محمد صادق بیرسٹر لیگ کی طرف سے مجلس انتخابات کے رکن سید مصطفیٰ شاہ گیلانی کو لیگ کی حمایت کے لئے ایک نظم چاہیے تھی۔ یہ نظم اُن کے اصرار کا ماحصل ہے۔

گھیرا ہے مفلسی نے مسلماں غریب کو — اور ہندوؤں میں جو ہے وہ چاندی کی پوٹ ہے

نامِ خدائے پاک پہ دیتا ہے ووٹ کون — ہے نوٹ جس کی جیب میں حقدار ووٹ ہے

احرار اُس طرف ہیں تو ہے کانگریس ادھر — دنگل ہے معرکہ کا برابر کی چوٹ ہے

اُن کو پچھاڑنے کے لئے صادق آگیا — اسلام کا کسے ہوئے لنگر لنگوٹ ہے

احرار اور کانگرسی کھائیں گے شکست
کیونکر ہو اُن کی جیت کہ نیت میں کھوٹ ہے

امرتسر ۱۹۳۸ء

مسجد فتحپوری

اگر مندر سے نزدیکی ہے اور مسجد سے دُوری ہے
تو اس کی لم ہمارے ہادیوں کی بے شعوری ہے

وہ کاش اس نکتہ کی تہ کو پہنچ جائیں کہ دہلی میں
مسلمانوں کی عزّت کی نشانی فتحپوری ہے

وطن کے بُت نے ان شیدائیوں کو کون سمجھائے
حجاز اور اُس کی حرمت پر بھی کٹ مرنا ضروری ہے

جنہیں تھا ادعا کل تک مساجد کی حفاظت کا
کہاں ہیں آج کل نز اُن کی کدھر اُن کی قدری ہے

مدینہ چھوڑ کر وہ رشتہ کیوں جوڑیں نہ وردھا سے
کہ اُن کی تربیت ناقص ہے اور تعلیم ادھوری ہے

مسلمانوں سے انصاف اس زمانہ میں کہاں ہوگا
نہ اُن کی گوں کا نج ہے اور نہ اُن کے ڈھب کی جُوری ہے

پلایا کانگریس نے ہو جنہیں دینار کا شربت
پسند آتا انہیں کب لیگ کا شربت نبوی ہے

متی ما تلق من تہوی دع الورودھا واہملہا
بقولِ خواجۂ شیراز اگر شوقِ حضوری ہے

دہلی ۱۰۔ نومبر ۱۹۳۸ء

اتاترک مصطفےٰ کمال نوراللہ مرقدہٗ

کیا پوچھتے ہو اُمتِ خیرالوریٰ کا حال — دیکھو گے جس کو پاؤ گے غم سے اُسے نڈھال

یہ غم وہ ہی جو دل سے جگر تک اُتر گیا — اقصائے چیں سے تا بہ مضافاتِ پرتگال

اس غم میں مبتلا ہی عرب بھی عجم کے ساتھ — صاحب دلو یہ غم ہے غمِ مصطفےٰ کمال

دُنیا سے وہ مجاہدِ اعظم گزر گیا — ڈھونڈے سے بھی ملیگی نہ جس کی کہیں مثال

ملّت کی مشکلات کو آسان کر دیا — اُس کی عزیمتوں نے بتائیدِ ذوالجلال

گزرے تھے جس کو رستے ہوئے تین سو برس — اُس زخم کے لئے وہ بنا وجہِ اندمال

جو سلطنت زمانہ کی سرتاج تھی کبھی — اُس کا وقار از سرِ نو کر گیا بحال

چیر کے دیئے صلیب پرستوں کو پے بہ پے — لے کر بڑھا وہ ہاتھ میں جب خنجرِ ہلال

نوبت پھر ایشیا میں وہ بجنے لگی جسے — سُنتے رہے ہیں قیصر و پاپا ہزار سال

کابل سے تا بہ انقرہ ایراں سے تا بہ مصر — بسنے لگا پھر آنکھ میں اسلام کا جمال

قائم کمال کر کے چلا جس نظام کو — اے ربِّ کعبہ اب نہ ہو شرمندۂ زوال

ترکوں کی جن بلاؤں کو رد کر چکا ہے تُو

دھلی — اسلامیانِ ہند [illegible] کٹال — ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۸ء

کانگرسی علما

کیا پوچھتے ہو ہند میں دینِ ہدیٰ کا حال
ویراں ہے خانقاہ تو مسجد ہے پائمال

خود عالمانِ دیں بھی پھنسے اُس کے جال میں
جس کا نہیں ہے توڑ وہ ہے کانگرس کی چال

یہ سچ ہے حق پرست بھی کچھ ان میں ہیں مگر
آتے بھی ہیں نظر جو وہ ہم کو تو خال خال

کافر بھی مومنوں کے اولی الامر بن گئے
کل تک جو تھا حرام ہُوا آج سے حلال

لذت تھی جن کے خوان کی عجلِ حنیذ سے
ہے آج کل پسند اُنہیں کیوٹی کی دال

چھوڑا جہاد کو اور اہنسا کیا قبول
جو شیر تھے پہننے لگے لومڑی کی کھال

اسلام کے چمن میں صنم صدر و دار کے
پھرتے ہیں پات پات پھدکتے ہیں ڈال ڈال

قرآں کے ترجمان ہیں کیوں بُت کی طرح چُپ
حالانکہ ہے مدینہ کے ناموس کا سوال

کیا انقلاب ہے کہ اساطینِ شرع کو
دم مارنے کی گاندھی کے آگے نہیں مجال

کچھ جانتے بھی ہو کہ ہیں کیوں آج ہم ذلیل
ہم پر ہمارے ان علما کا پڑا وبال

ہاں اے خدا بچا ہمیں ان کی گرفت سے
اور بھیج دے یہاں بھی کوئی مصطفےٰ کمال

دہلی ——— ۱۳- نومبر ۱۹۳۸ء

انگلو عربک کالج دہلی کے طلبہ سے خطاب

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے بہ تقریب یوم علی کرم اللہ وجہہ ۱۳۔ نومبر ۳۸ء کی شب کو ایک جلسہ انگلو عربک کالج دہلی میں منعقد ہوا۔ یہ نظم اس تقریب کے لئے سپرد قلم کی گئی:۔

اے عزیزو! مجھے پیغام یہ دینا ہے تمہیں
عربی مدرسہ کی شان کے شایاں نکلو!

ہو چکو علم کی تحصیل سے جب تم فارغ
کچھ بھی بن جاؤ مگر بن کے مسلماں نکلو!

باندھنا ہے تمہیں بکھرا ہوا شیرازۂ قوم
اپنے اللہ سے باندھے ہوئے پیماں نکلو!

باندھ لو سر سے کفن ہاتھ میں لو پرچمِ حق
لے کے بطحا کا پرانا سر و ساماں نکلو!

دل میں ہو ذوقِ یقیں سر میں ہو دیں کا سودا
مشکلیں قوم کی کرتے ہوئے آساں نکلو!

راہ میں سیلِ حوادث سے گزرنا ہوگا
ساق بر پا زدہ اور بر زدہ داماں نکلو!

اپنے زیور کے لئے چھین لو سورج کی کرن
فلکِ پیر کو کرتے ہوئے حیراں نکلو!

پیشوائی کو نکل آئے گی دنیا ساری
گھر سے نکلو تو برنگِ شہِ مرداں نکلو!

دل کے ارمان نکلنے کی یہی شکل ہے ایک
کہ جہانگیر و جہاں بخش و جہانباں نکلو!

دہلی ۱۳ نومبر ۳۸ء

مولانا عبدالغفور ہزاروی

صدر مجلس اتحاد ملت وزیر آباد مولانا عبدالغفور ہزاروی جب بعزم حج بیت اللہ روانہ ہوئے تو اُن کے اعزاز میں رفیق عبداللطیف وزیر آبادی نے ایک پُر تکلف دعوت دی جس میں دوسرے احباب کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ احباب کی طرف سے اس تقریب کے لئے کچھ اشعار کا تقاضا ہوا۔ جسے یوں پُورا کیا گیا:۔

(۱)

حج کو جانے والے ہیں عبدالغفور — آسماں برسا رہا ہے اُن پہ نُور

کس زباں سے ہو بیانِ وصف آپ کا — آپ موسیٰ ہیں وزیر آباد طُور

جا کے مکّہ میں کھجوریں کھائیں گے — اور رہے گا اُن سے حلوا دُور دُور

جا رہے ہیں پینے یثرب کی شراب — جس کے اندر ہے دوعالم کا سرُور

جب مواجہ کی سعادت ہو نصیب　　یاد رکھیں ہم غریبوں کو ضرور

ہے بریلی ہم صفیر دیوبند　　اتحادِ باہمی کا ہے ظہور

کانگریس ٹکرا رہی ہے لیگ سے　　آرہا ہے عقلِ گاندھی میں فتور

شعر میری طرح کہہ سکتا نہیں

حُقّہ پینے کا نہیں جس کو شعور

(۲)

کانپتے تھے اس کی ہیبت سے زمین و آسماں

جب مسلماں گھر سے نکلا باندھ کر سر پر کفن

شیخ کے تہمد نے گاندھی کی لنگوٹی سے کہا

مَیں پرستارِ خدا ہوں تو پرستارِ وطن

وزیرآباد - ۲۷ - دسمبر ۱۹۳۸ء

واردھا اور لندن کا شریفانہ میثاق

آخر انگریز کو خوش کر ہی لیا گاندھی نے — کہ یہ بنیا بچہ اس فن کے دقائق میں ہے طاق
نائب السلطنت ہند سے مل کر یہ کہا — مجھ کو منظور ہے سرکار کا آئینِ وفاق
صیغۂ راز میں رکھی گئی یہ گفت و شنید — نام رکھا گیا اس کا شرفا کا میثاق
ہاں میں ہاں کچھ علما نے بھی ملا دی بڑھ کر — کانگرس لائی تھی جن کے لئے حلوے کا طباق
یہ وہ میثاقِ غلامانہ ہے جس پر ہے گواہ — کبھی نہرو کا تجاہل کبھی گاندھی کا نفاق
جب کہے یہ دونوں کے دونوں ہیں غلامِ انگلیس — کیوں پھر آزادیٔ کامل کا اڑاتے ہیں مذاق
متفق ہو نہ سکا اس سے مسلماں کا ضمیر — کہ مسلماں کو تصوّر بھی غلامی کا ہے شاق
کہہ دے جا کر کوئی مغرب کی ملوکیّت سے — غیر ممکن ہے کہ باطل سے ہو حق کا الحاق
نئی تہذیب سے ہوتی جو وفا کی امید — تو نہ دیتا اُسے توحید کا فرزند طلاق
وقت آتا ہے کہ ہر گوشہ سے اُٹھے اسلام — اس میں افریقہ کا صحرا ہو کہ دشتِ قبچاق
پھیل جائے گا ہر اقلیم میں اسلام کا نُور — جگمگا جائے گا اس نُور سے سارا آفاق

ہفت اقلیم مسخر کسی قوت سے ہوئے
تو وہ قوت ہے سوا اُمی کا اخلاق

کرم آباد — ۷ جنوری ۱۹۳۹ء

ہاکی

نئی تہذیب نے لندن سے آکر
بتایا ہم کو کیا ہوتی ہے ٹاکی

ہُوا رخصت لٹھیتی کا زمانہ
کہ ہے قائم مقام آج اس کی ہاکی

دیئے گنجے کو پرمیشر نے ناخن
یہ ہے تمہید عرضِ مدعا کی

خدائی کر رہے ہیں آج کل بُت
حکومت اُٹھتی جاتی ہے خدا کی

وزارت پنت کی ہے خیر سے آج
محافظ آرڈر کی اور لا کی

مسلماں کی زباں گُدی سے کھینچے
وطن میں گر چلے ہندو سبھا کی

لاہور ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۳۹ء

تہذیبِ حجازی کا سمند

مسلماں طول و عرضِ ہند میں ہیں ارجمند اب بھی
کہ اُن کی گردنوں میں ہے شریعت کی کمند اب بھی

دیا اب تک نہیں ہے جذبہ ان میں قرنِ اوّل کا
کٹا سکتے ہیں ناموسِ نبیؐ پہ بند بند اب بھی

کھنگالیں دجلہ و گنگا کی موجیں جس کی ٹاپوں نے
ہے میداں میں وہ تہذیبِ حجازی کا سمند اب بھی

مسلمانوں کو جس نے گردن افرازی سکھائی تھی
وہ پرچم ہے دکن کی سرزمیں میں سربلند اب بھی

مرے نالے رسا ہیں با اثر ہیں سب مری آہیں!
مرے ترکش میں جتنے پیکاں ہیں سب ہیں دلپسند اب بھی

خدا کا فضل مجھ مسکیں پر اس سے بڑھ کے کیا ہوگا
کہ حق کی راہ میں مجھ کو پہنچتے ہیں گزند اب بھی

یہ گاندھی جی نے ساورکر سے حیراں ہو کے فرمایا
کہ عبداللہ سے کیوں ڈر رہا ہے راجہند اب بھی

بلوچ اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس ہوتے ہیں
بلوچستاں میں ہیں عبدالصمد سے ہوشمند اب بھی

پہنچ سکتی ہے اُمّت صدرِ اوّل کی بلندی پہ
بھریں اسلام کے بیٹے گر اک اُلٹی زقند اب بھی

لاہور۔ ۱۷۔ جنوری ۱۹۳۹ء

دوسوہہ

دوسوہہ مسلم لیگ پولیٹیکل کانفرنس میں احباب کی فرمائش پر یہ نظم ارتجالاً لکھی گئی :-

دوسوہہ کے مسلمانوں میں بیداری ہوئی پیدا
کھلا بابِ سعادت رحمتِ باری ہوئی پیدا

پہنچتا ہے مبارکباد کا حق اہلِ ایماں کو
کہ آخر اُن کے اندر شانِ خودداری ہوئی پیدا

شرابِ زندگی پر زور چلی آتی ہے بطحا سے
لنڈھا کر جس کے خم مستوں میں ہُشیاری ہوئی پیدا

پھر اُبھرا دل کے اندر جذبہ آزادئ کامل
پھر اس دیرینہ دولت کی طلبگاری ہوئی پیدا

خدا نے نقد آمرزش سے آپ اس کا کیا سودا
ازل کے روز جب جنسِ گنہگاری ہوئی پیدا

دوسوہہ - ۲۲ - جنوری ۱۹۳۹ء

وقت کا سامری

اے سامریٔ وقت کہ گاندھی ہی ترا نام
کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندۂ بے دام

ہندو کو مسلماں سے لڑانا ہے ترا کام
ہم کو نظر آتا ہے جو ہوگا ترا انجام

اے دشمنِ اسلام

تقدیرِ وطن کی اُسی دن سے ہوئی کھوٹی
جب شیخ کے تہمد سے ملی تیری لنگوٹی

اور چادرِ تہذیبِ عرب ہو گئی چھوٹی
ہم قائلِ الہام ہیں تو مائلِ اوہام

اے دشمنِ اسلام

حملہ تری فوجوں کا ہے اقلیمِ دکن پر
یلغار شغالوں کی ہی شیروں کے وطن پر

تکیہ ہمیں اللہ پہ اور تجھ کو وثن پر
سورج ترے اقبال کا آیا ہی لبِ بام

اے دشمنِ اسلام

سا پنجے میں اہنسا کے مسلماں نہ ڈھلے گا
سرحد کے پٹھانوں پہ یہ جادو نہ چلے گا
چرخہ لئے بیٹھا ہوا تو ہاتھ ملے گا
مدت سے تری تاک میں ہے گردش ایام

اے دشمن اسلام

جس روز چلی مسجد جے پور میں گولی
کھیلی گئی اسلامیوں کے خون سے ہولی
بھارت نے یہ دیکھا کہ زباں تو نے نہ کھولی
دیتا یہی تعلیم ہے کیا تجھ کو ترا رام

اے دشمن اسلام

بطحا نے مسلماں کو دیا درس الستی
کاشی نے سکھائی تجھے گوسالہ پرستی
کیا خوب ہے نظارۂ ہشیاری و مستی
مژدہ وہ بقا کا ہے فنا کا ہے یہ پیغام

اے دشمن اسلام

دھلی ۵ فروری ۱۹۳۹ء

سوز و ساز

کل رات حسن و عشق کے چرچے تھے بزم میں | یہ ماجرائے سوز تھا وہ داستان ساز
گردش میں تھا پیالہ مئے خانہ ساز کا | آیا ہوا تھا جوش میں خمِ خانۂ حجاز
قبلہ تو تھا وہی مگر اس کا علاج کیا | اسلامیوں نے رُخ بکلیسا پڑھی نماز
تہذیبِ یثربی کی ادا پر نثار ہوں | جس نے اُٹھائے اسود و احمر کے امتیاز
اے ربِّ کعبہ کچھ تجھے اس کی بھی ہے خبر | بے ڈھب یہود سے ہی نصاریٰ کی سازباز
منبر پہ جو بیان نہ واعظ سے ہو سکا | آخر کو فاش دار پہ چڑھ کر ہوا وہ راز
وقت آ گیا کہ ہو علمِ کفر سرنگوں | اور پرچمِ نبیؐ ہو زمانہ میں سرفراز

پیوندِ خاک ہو گئی لیگ آریاؤں کی
اور عمرِ تاجدارِ دکن کی ہوئی دراز

لاہور۔ ۲۵۔ فروری ۱۹۳۹ء

من کان للہ کان اللہ لہٗ

(۱)

میں بسکہ خدا کا ہوں خدا میرے لئے ہے ۔۔۔ جو کچھ بھی ہے دُنیا میں بنا میرے لئے ہے

چومی ہے فرشتوں نے ادب سے مری دہلیز ۔۔۔ آدم کی خلافت کی قبا میرے لئے ہے

کیوں جاؤں گدایانہ میں اغیار کے در پر ۔۔۔ جب رحمتِ شاہ دوسراؐ میرے لئے ہے

سمجھے بھی کہ کیا ہے مری کیفیتِ مستی ۔۔۔ یثرب کی مئے ہوش ربا میرے لئے ہے

کیوں برشِ خنجر کی ہو شہ رگ کو شکایت ۔۔۔ جب شیوۂ تسلیم و رضا میرے لئے ہے

کٹ مرنے کو ناموسِ نبیؐ پہ ہوں میں طیار ۔۔۔ وہ سر جو ہوا تن سے جدا میرے لئے ہے

ترکہ میں ملی ہے مجھے فاروقؓ کی سطوت ۔۔۔ صدیقؓ کا اندازِ صفا میرے لئے ہے

جس قوتِ بازو نے اکھاڑا درِ خیبر ۔۔۔ وہ موہبتِ شیرِ خدا میرے لئے ہے

گاندھی کی ہے یہ شان کہ بے مارے ہی مرجا ۔۔۔ اور آن امام الشہدا میرے لئے ہے

میں مٹ کے رہِ حق میں ہوا زندۂ جاوید

خوش ہوں کہ فنا میں بھی بقا میرے لئے ہے

ہمارے حصہ میں ہے گاندھی کی لنگوٹی
اور خواجۂ بطحا کی ردا میرے لئے ہے

گاندھی کی لنگوٹی سے ہی تہمد مرا اچھا
عثمانؓ کا آئین حیا میرے لئے ہے

جب ہاتھ نہ آئی انہیں دُلدل کی سواری
کہنے لگے عیسےٰؑ کا گدھا میرے لئے ہے

قرآں کی تفسیر میں لکھا ہے اُنھوں نے
وردھا کے کچالو کا مزا میرے لئے ہے

تیرے لئے حوران بہشتی کے کرشمے
اور کاشی کی پریوں کی ادا میرے لئے ہے

اس پر یہ کہا میں نے کہ تیرے لئے وردھا
اور واقعۂ کرب و بلا میرے لئے ہے

دہلی ۔ ۴ ۔ مارچ ۱۹۳۹ء

کشن گنج

بہار کا دورہ کرتے ہوئے جب میں کشن گنج پہنچا۔ جہاں مقامی مسلم لیگ کی طرف سے ایک شاندار جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ تو خبر آئی کہ گاندھی جی نے راج کوٹ میں بصد حسرت اپنی شکست مان لی اور صاف الفاظ میں اعتراف کر لیا کہ یہاں ان کی اہنسا بھی اُن کے کام نہ آئی۔ یہ نظم اسی واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئی :۔

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ باطل کو کچل دو ۔۔۔ اور اس نئی تحریک کا مرکز ہے کشن گنج
توحید کے فرزند کو آتا نہ خدا یاد ۔۔۔ وردھا کے بتوں سے نہ پہنچتا جو اُسے رنج
گاندھی کی اہنسا میں نہیں کچھ بھی رہا وزن ۔۔۔ لازم ہے کہ کہئے اُسے نخچیر ہوا اسفنج
مجھ کو بھی مرن برت کے رکھنے میں نہیں عذر ۔۔۔ بکری کا اگر دودھ ہو اور شیرۂ نارنج
دی شاہ کو مات اس نے پیادہ کو بڑھا کر ۔۔۔ بے ڈھب ہے مسلماں کی بچھائی ہوئی شطرنج

سوبھاش سے ملنے کے لئے جاتے ہیں گاندھی — اور حال یہ ہے پیٹ میں ہے دورۂ قولنج

انگریز سے ٹکرائے کہ ہندو سے اُلجھ جائے — اس بارہ میں پٹنہ کو ہی اتنا ہی ششں و پنج

رندوں کو جو تُھترا انہیں دیتا تو کم از کم — ساقی اُنہیں دے بھر کے لبالب قدح بنج

آئینہ جو دیکھو گے تو آنکھوں میں بسے گی — تصویر سبہ طالعئ دولتِ افرنج

ہر نغمہ سے پیدا ہوتی ملّت میں نئی روح

مَیں جب سے ہوں اسلام کے گلشن میں نواسنج

کشن گنجے

۳ مئی ۱۹۳۹ء

بھاگلپور

کشن گنج سے میں سیدھا بھاگلپور پہنچا۔ جہاں مسلمانوں کی اخوت کے مظاہروں نے دل پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی۔ مسلم لیگ کے اہتمام میں کشن گنج کی طرح یہاں بھی بڑا دھوم دھامی جلسہ ہوا۔ اور مجھ سے نظم کی فرمائش کرنے والے بیسیوں ارباب ذوق آن موجود ہوئے۔ چنانچہ یہ نظم اُن کی نذر کی گئی:۔

مکہ سے دہلی تک اور دہلی سے بھاگلپور تک
دین کا پھیلاؤ ہے اس سے بھی آگے دُور تک

میری آنکھوں میں بسا نورِ خدا فاران پر
موسیٰ عمراں نے کیا پایا پہنچ کر طُور تک

میری حکمت نے مجھے اللہ تک پہنچا دیا
ڈارون کے فلسفہ کی دوڑ تھی لنگور تک

ہم نشیں ایوانِ استعمار کی گلکاریاں
ہیں فقط رنگینیٔ خونِ دلِ مزدور تک

زندہ ہے اب بھی رسن بوسی کی سُنّت دار پر
آپ سمجھے ہیں یہ چرچے تھے فقط منصورؒ تک

ایشیا میں ہو رہا ہے پھر وہی ہنگامہ گرم
جس کی رونق تھی کبھی ٹیپوؒ تک اور تیمورؒ تک

جن کے ہر زخموں کی ٹیسوں میں ہے سامانِ حیات
اُن کی جان پہ در نزاؤ مرتے ہیں مرہم ناسور تک

آپ کیا اور آپ کا قانون عالم سوز کیا
عافیت انساں کی پہنچی اسلام کے دستور تک

بھاگلپور
۴ مئی ۱۹۳۹ء

کٹھیار

بہار کے دورہ سے واپسی پر مسلمانانِ کٹھیار کی اسلامی اخوت نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرالیا۔ اور میں نے رخصت ہوتے وقت انہیں ذیل کا پیام دیا :-

مبارک ہو مسلمانانِ کٹھیار
کہ ہوتا ہے تمہارا بخت بیدار

تمہارا ناخدا جب خود خدا ہے
تو بیڑا کیوں سمندر کے نہ ہو پار

کفن باندھے ہوئے نکلے ہیں گھر سے
قیامت ہے مسلمانوں کی یلغار

دھری رہ جائے گی گاندھی کی پونجی
پڑی گر کان میں قرآں کی للکار

نہیں ملتی ہے چرخے سے حکومت
حکومت اُس کی ہے جس کی ہے تلوار

کہاں ہے ہمت اتنی کانگرس میں
کہ روکے بڑھ کے مسلم لیگ کا وار

انہیں فوج گراں سمجھو خدا کی
جنہیں کہتے ہیں اسلامی رضاکار

حریفوں سے یہ جا کر کوئی کہہ دے
کہ مرنے مارنے پر ہم ہیں تیار

حیاتِ نو کا لایا ہوں میں پیغام
ہلا دیتے ہیں دل کو میرے اشعار

کئے ہیں منکشف میرے قلم نے
پیمبر کی شریعت کے سب اسرار

مجھے سرکارِ بطحا سے غرض ہے
نہیں سرکارِ لندن سے سروکار

(پٹنہ ۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۵ء)

موتی ہاری

موتی ہاری صوبہ بہار کے ضلع چمپارن کا صدر مقام ہے۔ چمپارن وہی خطہ ہے جس نے گاندھی جی کی نیم سیاسی و نیم مذہبی مہاتمائیت سے ہندوستان کو اول اول روشناس کرایا اور جہاں ابھی چند ہی دن ہوئے آپ کی دشمن اسلام سرگرمیاں ایک نئی شان کے ساتھ کرشمہ سنج ہو کر ہندو جاتی کو سنگٹھن کا سندیسہ دیتی گئی تھیں۔ ان سرگرمیوں کے دوران میں اثرات کے ازالہ کے لئے موتی ہاری مسلم لیگ نے ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی جس کا پہلا اجلاس سر سید رضا علی کی صدارت میں ۱۵ مئی ۱۹۳۹ء کی شب کو منعقد ہوا۔ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے میں بھی اسی دن موتی ہاری پہنچا اور بعد نماز عصر کئی ہزار مسلمانوں کی موجودگی میں پرچم کشائی کی رسم ادا کی۔ ذیل کی نظم اسی وقت زبان پر جاری ہوئی:-

---

چشمۂ زندگیٔ قوم ہے موتی ہاری — ندیاں علم و عمل کی ہوئیں جس سے جاری

دولت انگریز کی ترکہ میں ملی ہندو کو — کہہ دو ہندو سے اب آتی ہے ہماری باری

شب غم شیخ پہ ٹوٹی ہے اگر بن کے پہاڑ — برہمن پر بھی یہی شب کبھی ہو گی بھاری

مژدہ اے دل کہ ترے زخم کے بھرنے کے لئے — سمت بطحا سے چلا پنبۂ فضل باری

ہم سب آجائیں اگر ایک علم کے نیچے — مشکلیں ملت بیضا کی ہوں آساں ساری

دین کو آپ نے دُنیا سے الگ کیوں سمجھا　　اصل میں ایک ہیں دینداری و دُنیاداری

کفر کے حیلہ کا مومن کی فراست ہے جواب　　اُس طرف غلبۂ مستی ہے اِدھر ہُشیاری

شجرِ جور کی ہر شاخ کو کاٹے گا بہار　　آرہ کے ہاتھ میں ہو شرعِ نبیؐ کی آری

باندھ کر تیغ و کفن گھر سے مسلماں نکلے　　دیکھ کر جن کو ہے کفّار پہ ہیبت طاری

قیمت آزادیٔ کامل کی ہے خونِ شہدا　　جس کے چھڑکاؤ کی ہونے لگی ہو طیاری

خونِ اسلام خریدے گا جب آزادیٔ ہند　　دھری رہ جائے گی گاندھی کی اہنسا ساری

وقت آیا ہے کہ اسلام کا پرچم ہو بلند　　اور اُسے لے کے چلے ہاتھ میں موتی ہاری

ہار موتی کا مجھے آج پہننے کو ملا
دیکھیے مرے اشعار کی گوہر باری

موتی ہاری

۱۵۔ مئی ۱۹۳۹ء

بڑا مولوی

وطن جس کی رو سے ہی بُنیادِ ملّت — مَیں اُس شرع کی کر رہا پیروی ہوں

اہنسا کا فوارہ اُچھلا ہے جس سے — مَیں اُس زندگانی کی شانِ نوی ہوں

سکھاتا ہے جو ناچنا اور گانا — مَیں اُس مدرسہ[۱] کا بڑا مولوی ہوں

کبھی مَیں بھی تھا عازمِ کوئے یثرب — اب اس عزم کو کر چکا ملتوی ہوں

کوئی قادری ہے کوئی سہروردی — مرا فخر یہ ہے کہ مَیں گاندھوی ہوں

مجھے لیگ سے اس لئے دشمنی ہے — وہ عبدالنصاریٰ مَیں عبدالقوی ہوں

برستی ہیں جس سے ترنگی بلائیں[۲] — مَیں اُس عرش پر آج کل مستوی ہوں

سمجھ لوں میں جینا کو کیونکر مسلماں

کوئی مَیں بھی اشرف علی تھانوی ہوں

۱؎ وردھا سکیم — ۲؎ چرخہ والا ترنگا جھنڈا

لاہور ۱۶ مئی ۱۹۳۹ء

لکھنؤ

خدا کا دل سے خوف اُٹھا نبیؐ کی بھی نہ شرم آئی
تجھے اے لکھنؤ منظور کیوں ہے اپنی رُسوائی

وہ شعلے خانہ جنگی کے تری گلیوں سے لپکے ہیں
جہنّم بن رہی ہے جن کی کشور سوز گیرائی

ادب سے چومتے تھے نامسلماں جس کی چوکھٹ کو
خود اپنے ہاتھ سے تُو نے بنا اُس قصر کی ڈھائی

مسلمانوں کو لڑتے دیکھ کر ہر گاندھوی خوش ہے
کہ اُمّت اُن کے پیغمبرؐ کی آپس ہی میں ٹکرائی

سبق ہندو نے سیکھا ہے یہ انگریزی سیاست سے
کہ سُنّی اور شیعی کی نہ ہونے پائے یکجائی

اسی کی فتنہ سامانی کے چندیں شاخسانے ہیں
جنہیں سمجھے ہو مدح و قدح کی ہنگامہ آرائی

دیا تھا اسود و احمر کو جس نے درس اخوّت کا
قیامت ہے اُسی دیں میں جُدا ہے بھائی سے بھائی

وہ کیا جانیں کہ پیکاں کی جراحت کیسی ہوتی ہے
نہیں ناپی جنہوں نے میرے زخمِ دل کی گہرائی

کرشمہ ہے یہ ادنےٰ سا خدایا تیری قدرت کا
کہ بن سکتی ہے پربت پل میں تیرے حکم سے رائی

بدل دے دل مسلماں کا دلوں کے پھیرنے والے
اور اس کو مرحمت کر صدرِ اوّل کی توانائی

اُلٹ سکتی ہے اب بھی تختہ وردھا کے مداری کا
مسلماں کے جنونِ اوّلیں کی کارفرمائی

لکھنؤ۔ ۲۔جون ۱۹۳۹ء

دکن میں آریہ سماجی فتنہ کی روک تھام

مسلماں ہے تو مسلم لیگ کا جھنڈا اُڑاتا چل
پیامِ آزادئ کامل کا ملت کو سناتا چل

پڑھاتا چل سبق باطل کی بنیادوں کو ڈھانے کا
سلیقہ راہِ حق میں سر کٹانے کا سکھاتا چل

خدا خود مشرق و مغرب میں تیرا نام اُچھالے گا
نبیؐ کے نام کا آفاق میں ڈنکا بجاتا چل

جو اُٹھنا ہے تو پہلے کی طرح ہو کر قیامت اُٹھ
جو چلنا ہے تو بن کر برقِ مضطر تلملاتا چل

طریقہ شستِ شو کا بدر نے تجھ کو سکھایا ہے
اُسی انداز سے خونِ شہادت میں نہاتا چل

جلاتا چل دیا اسلام کا اطرافِ عالم میں
چراغ کفر کو ایماں کی پھونکوں سے بجھاتا چل

شرابِ لالہ گوں آئی ہے بطحا کے خمستاں سے
ہر اک گھونٹ اس کا جاں پرور ہے پیتا چل پلاتا چل

دکن میں آریوں کا فتنہ گر ہے روکنا تجھ کو
تو آصف جاہ کے دربار میں یہ نغمہ گاتا چل

جالندھر۔ ۵ جون ۱۹۳۹ء

محمد عربی کا غلام ہو جائے — تو ناگ پور ابھی دار السلام ہو جائے

اگر ہو فرق حلال و حرام اُسے معلوم — تو برہمن بھی ہمارا امام ہو جائے

خدا کے فضل سے ساعت سعیدہ سر پہ آ پہنچی — کہ کام فتنہ گروں کا تمام ہو جائے

بیادِ حضرتِ اورنگ زیبِ عالمگیر — زمانہ حلقہ بگوشِ نظام ہو جائے

سلامی اس کے ندیموں کو جھک کے دے مہِ نو — بلند اس قدر اُس کا مقام ہو جائے

بہار میں نہ رہے ظلم کا نشاں باقی — پھر اُس کی تیغ اگر بے نیام ہو جائے

شراب ہو کے جو آئے کشید بطحا سے
شکستِ توبہ کا بھی اہتمام ہو جائے

مسلم ہوسٹل شملہ

۱۵ جون ۱۹۳۹ء

اسلام کا رخشندہ نظام

کچھ شیعیوں ہی کے نہیں مشکل کشا علیؓ
ہر رن میں نعرہ سُنّیوں کا بھی ہے یا علیؓ

جو دیدہ ور ہیں خاکِ درِ بوترابؓ ہیں
اس میں ابوالکلام ہوں یا سر رضا علی

وہ شہرِ علم جس سے ہے ذاتِ نبیؐ مراد
دروازہ ہیں کھلا ہوا اُس شہر کا علیؓ

مولا علیؓ کی ذات نہیں ہے خدا کی ذات
لیکن نہیں ہیں ذاتِ خدا سے جُدا علیؓ

خیبر شکن ہے قوّتِ بازوئے مرتضیٰؓ
مرحب فگن ہے پنجۂ شیرِ خدا علیؓ

بوبکرؓ اور عمرؓ بھی اُسی شمع کی ہیں لَو
ہیں محفلِ حجاز میں جس کی ضیا علیؓ

بوبکرؓ بادۂ "معنا" کے قرابہ کش
لذّت شناسِ مائدۂ "ھل اتیٰ" علیؓ

وہ صاحب دو نور ہیں اور کامل الحیا
پہچانتے ہیں مرتبہ عثمانؓ کا علیؓ

اے لکھنؤ اگر تری ملّا حیاں سُنیں
کچھ جانتا بھی ہے کہ کہیں تجھ کو کیا علیؓ

لکھنؤ - ۲۶ - جون ۱۹۳۹ء

اسکندرونہ

ہوئی زندہ ترکوں کی دیرینہ سطوت
خدا نے کیا مرتبہ اُن کا دُونا!

ملیں خاک میں عظمتیں دشمنوں کی
ہوئیں ہڈیاں جن کی گل سڑ کے چُونا!

جو ہو دیکھنا زورِ بازوئے خالدؓ
تو عصمت انونو ہیں اس کا نمونہ

فرانسیس کی کس مپرسی سے پوچھو
لیا تُرک نے کیونکر اسکندرونہ

غلامی کا چکّر ہے گا ندھی کا چرخہ
نہ بھولے سے بھی اس کے چرخے کو چھونا

جو ہونا ہے آزاد' پہنچو مدینے
نہ سلجھا سکے گا اس اُلجھن کو پُونا

نئی رونقوں میں بسا چاہتی ہے
وہ بستی ہر اک گوشہ تھا جس کا سُونا

لاہور-۴-جولائی سنہ ۱۹۳۹ء

بے مہار اُونٹ

میں نے کل پوچھا یہ صدرِ مجلسِ احرار سے
بندہ پرور آپ کیوں ہیں خاکساروں کے خلاف

گر عقائد کی بنا پر آپ کی ہے اُن سے جنگ
کیوں نہیں ہیں آپ پھر زنّاروالوں کے خلاف

چار مشرک ہیں پٹیل و گاندھی و نہرو و بوس
کاش ہوتی آپ کی یلغار چاروں کے خلاف

ہنس کے فرمانے لگے ارشادِ عالی ہے بجا
ہو تو جائیں ہم بھی ان مُردار خواروں کے خلاف

پل رہے ہیں ان کے چندوں پر مگر احرارِ ہند
پھر ہوں کیوں وہ اپنے ان پروردگاروں کے خلاف

کانگرس نے پال رکھے ہیں مدینہ کے کچھ اُونٹ
عالمِ اسلام ہے ان بے مہاروں کے خلاف

ایبٹ آباد۔ ۱۲۔ جولائی ۱۹۳۹ء

زنّار و ناقوس!

تاجدار دکن اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہٗ جہاں ایک جلیل المرتبت اسلامی فرمانروا ہونے کے لحاظ سے عدل و احسان کی جیتی جاگتی تصویر ہیں وہاں ایک نغز گو اور شیریں مقال شاعر بھی ہیں۔ حضور نے پچھلے دنوں ایک سلام سپردِ قلم فرمایا جس کا ایک شعر یہ تھا ؂

بند ناقوس ہوا سُن کے صدائے تکبیر
زلزلہ آہی گیا رشتۂ زنّار پہ بھی!

اس پر آریہ سماجی حلقوں میں شور مچ گیا کہ فرمانروائے دکن بڑا متعصب مسلمان ہے جو ہندو دھرم کا مذاق اُڑاتا ہے۔ دھرم کی خیالی توہین کے نام پر جتھہ بازی کرنے کا سلیقہ تو ان آریہ مہاشوں کو یقیناً حاصل ہے۔ لیکن مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ انہیں فارسی ادب اور اردو شاعری کے نکات سمجھنے کا بھی دعویٰ ہے۔ ان بدتمیز مہاشوں کو جو بادشاہوں سے بھی اُلجھنے ہوئے نہیں جھجکتے معلوم ہونا چاہئے کہ زنّار و ناقوس ادب اردو میں

ناصفلی نی کی ادبی علامات سمجھے جاتے ہیں عام اس سے کہ نامسلمان مجوسی ہوں یا آریہ سماجی۔ چند اشعار اسی زمین میں جو حضور آصف جاہ ہفتم نے اپنے سلام کے لئے پسند فرمائی ہے میں بھی عرض کرتا ہوں۔ انٹرنیشنل آرین لیگ گنگنلائے اور جھوم جھوم کر ناقوس بجائے۔

چرخ نے دیکھا ہی جہاں گاندھیوں کا تو نے
اک نظر حیدر کرار رضؓ کی تلوار پہ بھی

نیک و بد کی نہیں اللہ کی رحمت کو تمیز
کہ وہ نازل ہوتی مجھ جیسے گنہگار پہ بھی

حق اگر ہے تو یہی ہے کہ ہو اُس کا اعلان
ایک ہی وقت میں منبر پہ بھی اور دار پہ بھی

دکن اور اُس کی حکومت کے کرم کی بارش
ہے اگر اپنوں پہ تو ساتھ ہی اغیار پہ بھی

گالیاں کھانے سے بچ جائے دکن کی سرکار
ہُن وہ برسائے اگر مجلس احرار پہ بھی

کیا تماشا ہے کہ کرنے لگے ہندو یلغار
میر عثمان علی خان کے اشعار پہ بھی

ورق اُلٹیں کسی فرہنگ کے لالہ پہلے
مجھ سے پھر بحث کریں معنئ زنار پہ بھی

بند ناقوس ہوا سن کے صدائے تکبیر
زلزلہ آہی گیا رشتۂ زنار پہ بھی!

لاہور:- ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء

دکن کے اچھوت

بننے والی ہے دکن کی سرزمیں جنّت نشاں
بادلوں سے لے کے اُترا ہے یہ مژدہ میگھ دُوت

رنگ کے اور نسل کے سب تفرقے مٹ جائیں گے
درسِ اخوّت کا پڑھائے گا مسلماں کو اچھوت

جن سے چھونا بھی گوارا آج ہندو کو نہیں
کوئی دن جاتا ہے بھارت کے یہی ہوں گے سپوت

مرحمت ہوگا انہیں عزّت کا اُجلا پیرہن
لائے ہیں جس کے لئے اسلام کی اُنٹی کا سُوت

وقت آپہنچا کہ بخشا جائے موہن بھوگ انہیں
آج تک بھوجن رہا ہے جن کا قوتِ لایموت

آریوں سے بحث کیوں کرتے ہیں خدامِ نظام
ماننے والے نہیں باتوں سے یہ لاتوں کے بھوت

ملّتِ بیضا کی محفل میں مساوات آگئی
ہوگیا ورن آشرم اک پل میں تارِ عنکبوت

کلمہ پڑھ کر شودروں کا رتبہ اُن سے بڑھ گیا
اپنے آبائی شرف پر کیوں ہیں نازاں راجپوت

کہہ دو گاندھی جی سے اُن کے داؤں سب خالی گئے
بیٹھ جائیں مرگ چھالا پہ رما کر اب بھبھوت

ساعت آپہنچی ہے سر پہ دعوت و ارشاد کی
بوالکلام آزاد ہیں اس وقت کیوں محوِ سکوت

دیکھ لے منظور ہو جس کو کمالِ ارتجال
میرے یہ اشعار گوہر بار ہیں اس کا ثبوت

۲۱ جولائی ۱۹۳۹ء

آریہ سماجی فتنہ

شعلے جس آگ کے ہیں وطن میں بلند آج
بھڑکا رہا اس آگ کو ہے آریہ سماج

نہرو کی طرح اُس کو دھرم سے غرض نہیں
مقصد یہ ہے کہ دیس میں قائم ہو رام راج

آنکھیں دکھا رہے ہیں مسلمان کو ہنود
جس نے ہزار سال تک اُن سے لیا خراج

یہ موم سے بھی نرم اہنسا کی پتلیاں
چھینیں گی کس طرح اسد اللّٰہیوں سے تاج

باطل سے ہے مقابلہ حق کے جیوش کا
ہے اس طرف جو سنگ تو ہے اُس طرف زجاج

پڑنے لگی ہے شیخ کے ماتھے پہ تیوری
اُٹھنے لگا ہے قلب برہمن میں اختلاج

جس تنگ بل میں اُس کا سمانا محال ہے
اُس میں گھسا ہے باندھ کے چوہا کمر سے چھاج

حیدر نواز جنگ سے جا کر کہے کوئی
بگڑا ہوا ہے آج کل اس قوم کا مزاج

گر ساری سلطنت بھی انہیں بخش دیں نظام
پھر بھی نہ ہو گا آریوں کی حرص کا علاج

اسلام کو یقیں ہے کہ صولت حضور کی
رکھے گی دینِ مصطفوی کی دکن میں لاج

لاہور ۔ ۲۲ ۔ جولائی ۱۹۳۹ء

گاندھی جی کا عزمِ کشمیر

ترکش سے نکالا ہے اہنسا کے نیا تیر
اور آئے ہیں اُس تیر کی زد میں نئے نخچیر

پاتے ہی ہزارہ کے مشاغل سے فراغت
سُنتا ہوں کہ گاندھی جی ہوئے عازمِ کشمیر

وہ خطۂ کہ کبھی جس میں سرافراز تھا اسلام
بجتی تھی جہاں نوبتِ اقبالِ جہانگیر

آج اُس کی یہ حالت ہے کہ ورد ھاکا مداری
جاتا ہے وہاں بن کے مسلمان کی تقدیر

کشمیر کے جنگل میں ڈٹو کا ہے جو برسوں
اُس شیر کو روباہ بنانے کی ہے تدبیر

توحید کے فرزند سے جا کر کوئی کہہ دے
قائم تجھے رکھنی ہے گر اسلاف کی توقیر

گھر سے نکل آ رکھ کے ہتھیلی پہ سر اپنا
اور کھینچ دے پھر معرکۂ بدر کی تصویر

چلنا ہے تو چل جادۂ شاہِ دوسرا پر
کرنی ہے تو کر پیروی سنّتِ شبیرؓ

ایبٹ آباد۔ ۲۳ جولائی ۱۹۳۹ء

عزّت و ذلّت

اُدھر آریہ سماجی اِدھر اتحادِ ملّت
ہے اِدھر خدا کی عزّت ہے اُدھر بتوں کی طاقت

ملی جس کو بارہا زک وہ ہے مشرکانہ کثرت
جو رہی ہے غالب اب تک وہ ہے مومنانہ قلّت

یہ شغالِ پست فطرت یہ سُنا ہو گر تو سن لیں
کہ محال ہے بدلنی اسداللّٰہی جبلّت

بڑے اچھّے ہیں مشائخ جو ملے ہیں کانگرس میں
گِلہ اُن سے ہے تو یہ ہے کہ ہے گاندھی اُن کی علّت

یہ وہ عالمانِ دیں ہیں جو ہمیں بتا رہے ہیں
کہ سماجیوں کی حرمت ہے حجازیوں کی حلّت

لاہور۔ ۲۸۔ جولائی ۱۹۳۹ء

بلوچستان

بسکہ اسلامی اخوت کی کشش تھی بے پناہ
دل مرا مجھ سے یہ کہتا تھا بلوچستان چل

دیکھ چل کر سرحد بولان پر شانِ قلات
تازہ اس نظارہ سے کرتا ہُوا ایمان چل

تفرقے سارے مٹا دے اُمتِ مرحوم کے
مشکلیں اسلام کی کرتا ہُوا آسان چل

توڑنا ہے تجھ کو استعمارِ مغرب کا طلسم
باندھ کر تیغ اُٹھ گلے میں ڈال کر قرآن چل

چال وہ چل جس سے اُلٹے گا ندھویت کی بساط
یعنی ناموسِ پیمبرؐ پر چھڑکتا جان چل

سندھیوں کو اور پٹھانوں کو بلوچوں سے ملا
ان کو سمجھاتا ہُوا اسلام کا فرمان چل

کفر کے ٹولے کا بیڑا غرق کرنے کے لئے
تجھ کو چلنا ہے تو بن کر نوحؑ کا طوفان چل

فورٹ سنڈیمن ۔ ۳ ۔ اگست ۱۹۳۹ء

مسجد منزلگاہ سکھر

غیر کی تحویل میں مسجد ہے منزل گاہ کی
قبضۂ طاغوت میں ہے جائداد اللہ کی

یہ وہ گھر ہے جس میں ملتا ہے سبق توحید کا
اور اُٹھا دی ہے تمیز اُس نے گدا و شاہ کی

یہ وہ گھر ہے جس نے پھیلائی ہے ایماں کی ضیا
روشنی پڑتی ہے جس سے ماند مہر و ماہ کی

یوں پڑا ہوتا نہ تالا گھر میں رب کعبہ کے
حکمرانی سندھ میں ہوتی اگر آصف جاہ کی

اے مسلمانو نشاں معصوم کا مٹنے نہ دو
تا کہ ہو آسودہ روح اُس مرد حق آگاہ کی

آج سکھر میں ہے دنگل کفر اور اسلام کا
دیکھ لے ہندوستاں کشتی یہ کوہ و کاہ کی

مژدہ ہو اسلام کو باطل کی شہ رگ کٹ گئی
جب لگائی ہم نے آ کر ضرب الا اللہ کی

کافروں سے جا کے کہہ دو نکتہ چیں دیں نہ ہوں
دیں میں گنجائش نہیں ہے جبر اور اکراہ کی

اُس سمندر کا شناور زادۂ توحید ہے
لا نہیں سکتا خبر گردوں بھی جس کی تھاہ کی

کہہ دو گاندھی سے نہ اُلجھے ملت اسلام سے
عرش تک پہنچا ہوا ہے اس کی جانسوز آہ کی

سلسبیل و کوثر و تسنیم کا ہے اتصال
سندھ کا دریا ہے یا رحمت رسول اللہ کی

میری نظم گوہریں ہے آفریں سے بے نیاز
وہ سخنور ہوں نہیں پروا ہے جس کو واہ کی

سندھیوں کو جا کے دو پیغام مسلم لیگ کا
ہے بلا شرکت اِن کو گر آزادی کی سیدھی راہ کی

بٹالہ

دو غم تھے جہاں میں غمِ دزد و غمِ کالا
گر میری قناعت سے نہ پڑتا اُنہیں پالا

بچ کر نکل آیا ہوں میں ان دونوں کی زد سے
جس طرح اندھیرے سے نکلتا ہے اُجالا

توحید کے سانچے میں ڈھلی ہے مری فطرت
آفاق میں پھر بول نہ کیوں ہو مرا بالا

ہے جنتِ فردوس تہِ سایۂ شمشیر
تلوار نے دنیا میں مرا نام اُچھالا

دیتا ہے لقب زیبِ موحد کا اُسی کو
میداں میں جو ہو تیغ و کفن باندھنے والا

دنیا کے حوادث سے مسلمان کو کیا ڈر
جب اُس کا نگہباں ہے خدا وند تعالیٰ

کل لیگ نے یہ راز بٹالہ میں کیا فاش
ہے کانگرس انگریز کی اغراض کا آلہ

گاندھی کو مبارک ہو غلامی کا تمسک
اور بوس کو آزادیٔ کامل کا قبالہ

تدبیریں جو وردھا کی ہیں سب ہو گئیں اُلٹی
نکلا ہے پشاور میں اہنسا کا دوالہ

چرخے سے حکومت نہ ملی ہے نہ ملے گی
اس باب میں ہیں متفق اب شیخ سے لالہ

تصویرِ مرقع میں ہے کیا خوب دکن کی
ہے چاند نظام اور مسلمان ہیں ہالہ

ہوتی ہے مری طبع یہاں آکے رواں اور
مضمون سجھاتا ہے نئے مجھ کو بٹالہ

بٹالہ
۱۶ اگست ۱۹۳۹ء

بھیرہ

خدا کی رحمتوں نے ہر طرف سے مجھ کو گھیرا ہے
مسلماں ہوں اور اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ میرا ہے

پرستارانِ خاکِ کعبہ جس رستہ سے گزرے ہیں
ہر اک ذرّہ نے سورج بن کے نور اپنا بکھیرا ہے

اُجالا ہی اُجالا ہے مسلمانوں کی بستی میں
صنم زادوں کی نگری میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے

کچھ اس کی بھی خبر ہے تم کو چرخہ کاتنے والو
کہ تلواروں کے سایہ میں مسلماں کا بسیرا ہے

مسلماں ہی پہ کیا موقوف جو قومیں بھی غالب ہیں
ہے ان میں کون جس نے سوت اہنسا کا اٹیرا ہے

رسولؐ اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کی کٹیا عالمانِ دیں کا ڈیرا ہے

خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہوگا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخِ ملت کا پھیرا ہے

یہ کہہ دو شبِ پرستوں سے کہ بستر تہ کریں اپنا
پھٹی ہے پو ہوا جاتا کوئی دم میں سویرا ہے

حیاتِ نو کے جلوے دیکھ لو پنجاب میں آ کر
مسلمانوں کی سطوت کا نیا گہوارہ بھیرا ہے

بھیرہ - ۲۳ - اگست ۱۹۳۹ء

سرگودھا

مسلمانانِ سرگودھا! خدا کی تم پہ رحمت ہو
وطن کو ایک دن دو گے تمہیں پیغامِ آزادی

ہزیمت پہ ہزیمت دو گے تم اعدائے ملّت کو
کہ بخشے ہیں تمہیں اللہ نے بازوئے فولادی

شکست و فتح بے پروا ہیں کثرت اور قلّت سے
کہ ہر حالت میں غالب ہے مسلمانوں کی آبادی

جہاں جاتا ہوں میں اک نظم کی ہوتی ہے فرمائش
اور ان فرمائشوں کا ہوں میں پہلے روز سے عادی

چلا جائے گا یوں ہی کانگرس اور لیگ کا جھگڑا
ہمارے گھر کی آبادی ہے اُن کے گھر کی بربادی

مسلماں ہندوؤں میں ہو نہیں سکتے کبھی مدغم
یہ نکتہ مجھ سے سُن لو اختلاف ان میں ہے بنیادی

سرگودھا۔ ۴ ستمبر ۱۹۳۹ء

جادو کے ڈورے

خدا کے عدل پر ہے خندہ زن میری گنہگاری
میں پہنچا ہوں محمدؐ کی شفیع المذنبینی تک

میں خود بیں تھا خدا بیں ہو گیا اُس کے تصدق میں
ہے میری دُور بینی جس کی ختم المرسلینی تک

زمین و آسماں کی رحمتوں کی اُس کو کیا پروا
ہو جس کی دوڑ اُس کی رحمۃ للعالمینی تک

مجھے ڈر ہے نہ لے جائے کہیں ایماں مرا مجھ کو
بُتانِ کشورِ ہندوستاں کی نازنینی تک

جہانباں اب بھی ہیں لیکن اُن کی یاد باقی تھی
نظام الملک آصف جاہ کی مسند نشینی تک

سلیقہ ہے روایاتِ سلف کو زندہ کرنے کا
مرے ہر حرف کی جاں پڑی اندازِ دل گزینی تک

دلوں میں ڈال لو جادو کے ڈورے گر پہنچ جاؤ
مرے افکارِ رنگارنگ کی سحر آفرینی تک

شملہ ۔۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۹ء

خاکسار کی آن

عربی عزم کے کچھ جاگتے جیتے پیکر — عجمی حزم کی اوڑھے ہوئے ہندی چادر

سر بکف گھر سے نکل آئے ہیں اس عزم کے ساتھ — کہ ہو باطل کے ہر اک فیل سے اُن کی ٹکر

ماسوا کی کسی طاقت کا نہیں خوف ان کو — ان کے دل میں ہے فقط ہیبتِ ربِّ اکبر

آنکھ میں موت کی تصویر اُتر آتی ہے — نظر آتا ہے جب اغیار کو اُن کا لشکر

اُن کی تنظیم سے ہیں لرزہ براندام حریف — راز ہے غلبۂ اسلام کا جس میں مضمر

پنڈت جی اُن کو کچلنے پہ تُلے بیٹھے ہیں — اور نظر آتے ہیں بدلے ہوئے اُن کے تیور

کہہ دے یوپی کی حکومت سے یہ جا کر کوئی — خاکسارانِ وطن را بحقارت منگر

تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

لاہور ۱۶ ستمبر ۱۹۳۹ء

تاجدارِ دکن کی شانِ کجکلاہی

ادب نبیؐ کے اوامر کا اور نواہی کا
پتہ فقیر کو دیتا ہے بادشاہی کا

اثر ہماری دعا ہائے صبحگاہی کا
ہے پیش خیمہ بد اندیش کی تباہی کا

اطالیہ میں لرزنے لگا مسولینی
کہ ڈر ہے حملۂ عصمت کی بے پناہی کا

نوید عرش سے آئی کہ شرقِ ادنےٰ میں
دریچہ کھلنے کو ہے رحمتِ الٰہی کا

جہانِ کفر پہ ایماں کو ملنے والا ہے
ہر اختیار سفیدی کا اور سیاہی کا

حرم کی گود میں پل کر جواں ہوا ہے غرور
حضورِ آصفِ ہفتم کی کجکلاہی کا

نہ منحرف ہو اولی الامر کی اطاعت سے
کہ سب سے فرض بڑا ہے ہی سپاہی کا

کیا خدا نے مسلمان مجھ کو از سرِ نو!
صلہ ملا یہ مجھے دیں کی خیر خواہی کا

لاہور - ۱۸ ستمبر ۱۹۳۹ء

اتحاد کی شرطِ اوّلین

خواب و خیال ہو گئی آزادیٔ ضمیر
جو دل میں ہے نہاں وہ زباں پر عیاں نہیں

دُنیا کے جتنے مُلک تھے آزاد ہو گئے
آزاد اگر نہیں ہے تو ہندوستاں نہیں

گرما گئی تھیں جس سے کبھی اس کی محفلیں
شاید وہ خون اب اِس کی رگوں میں رواں نہیں

بولی حرم کی اَور زباں دَیر کی ہے اَور
ہندوستان کا کوئی بھی ترجماں نہیں

افسانہ ہو چکا ہے رتن ناتھ کا فسوں
جادو بیانیٔ اسداللہ خاں نہیں

شیخ اور برہمن کا ہے دشوار اتحاد
جب تک کہ ان میں مشترک اردو زباں نہیں

شملہ - ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء

فضلِ باری

نگاہیں سارے کشور کی جمی ہیں خاکساروں پہ
کہ ہنستا ہے شمار اُن کی قطاروں کا ستاروں پہ

عتاب اُن پر کئی دن سے ہے یوپی کی حکومت کا
ہر اک جس کا قدم اُٹھتا ہے گاندھی کے اشاروں پہ

مسولینی ہو یا ہٹلر ہو غالب آ نہیں سکتے
حضورِ سرورِ کون و مکاں کے جاں نثاروں پہ

فضل نے لا کے رکھ دی دیوِ استبداد کی گردن
مسلمانوں کی جن آشام تلواروں کی دھاروں پہ

ادا حق ہو نہیں سکتا سپاسِ فضلِ باری کا
فضیلت جس نے بخشی ہے پیادوں کو سواروں پہ

لاہور۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

الستی شراب

عہدِ خزاں گزر گیا فصلِ بہار آ گئی
دوشِ صبا پہ بوئے گُل ہو کے سوار آ گئی

نامیہ نے جگا دیا سبزہ کو خوابِ ناز سے
باغ میں کوکتی ہوئی قمریٔ زار آ گئی

راہ روِ حجاز کو نافۂ شوق مل گیا
گرمِ رودِ حجاز میں اُس کی مہار آ گئی

کشتیٔ اُمّتِ قوم جس کے نبیؐ ہیں ناخدا
سینۂ بھنور کا چیر کر تا بکنار آ گئی

ہم ہیں وہ رندِ لم یزل جن کے لئے مئے الست
کل جو ملی تھی دے کے دم آج اُدھار آ گئی

لاہور - ۲ - اکتوبر ۱۹۳۹ء

یورپ کے دو قزاق

اپنی جیبوں سے رہیں اقوامِ عالم ہوشیار
سر پہ آ پہنچے فرنگستاں کے قطاع الطریق

کیوں نہ ہوتی روس سے المانیہ کی ساز باز
چور ہی آخر ہوا کرتے ہیں چوروں کے رفیق

حصے بخرے کر لئے دونوں نے پولستان کے
خونِ ناحق کے سمندر کا یہ کشور ہے غریق

یہ وہ خوں ہے جس کو پی کر پھٹ چلیں اُن کی رگیں
کاش کھولیں ترک ان دونوں کی فصدِ باسلیق

ہم نے یہ مانا کہ سنگیں ہے حصارِ جرمنی
سخت تر ہے لیکن انگلستاں کی برقی منجنیق

فتح اُس کی ہے خدا کا فضل جس کے ساتھ ہو
ہوش کے کانوں سے سن لیں جنگ کے دونوں فریق

ہم حریف اُس کے ہیں جو ہے دشمنِ صلح و سلام
امنِ عالم جس کی غایت ہے ہم اُس کے ہیں رفیق

باندھ کر ستو لڑے ہیں لشکرِ کفار سے
ہم مسلمانوں کو اب تک یاد ہے جنگِ سویق

ہیکلِ طاغوت کی بنیاد ڈھا دی جائے گی
حشر تک قائم رہے گی رونقِ بیت العتیق

جس کے ہر قطرہ سے پیدا ہو حیاتِ جاوداں
ساقیا بطحا سے جا لا کر وہ جاں پرور رحیق

نادرِ آصف جاہِ ہفتم کیوں نہ ہو وردِ زباں
جب ملے خلقِ خدا کو تاجدار ایسا شفیق

لاہور
۳ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء

خاکسار کی شان

سب سے بڑی صفت یہی پاؤ گے خاکسار میں
صاعقہ ہیں جلال میں خاک ہیں انکسار میں

جنگ سے گر نہ ہو مفر آتے گا سر بکف نظر
گرچہ کٹے ہیں اُس کے دن امن کے انتظار میں

خمکدۂ حجاز سے آئی شرابِ خانہ ساز
تاکہ اسے بھی ایک گھونٹ دے کوئی نوبہار میں

گردشِ روزگار کا غم نہیں اُس کے خیل کو
بسکہ وہ ہے بسا ہوا رحمتِ کردگار میں

اُس کی بھی ہو وہی رضا جو ہو رضائے کردگار
مطمئن اُس کا قلب ہے جیت میں اور ہار میں

لاھور - ۴ - اکتوبر ۱۹۳۹ء

مشرق کے دیوانے

ہیں نازاں اپنی جس تہذیب پر مغرب کے فرزانے
اُڑانے کو ہیں اُس کی دھجیاں مشرق کے دیوانے

اُبھرنے پر تُلے بیٹھے ہیں جذبے صدرِ اوّل کے
جنہیں پالا ہے آغوشِ یقیں میں خاکِ بطحا نے

وُہ وقت آیا کہ لیں قدرت کی تعزیریں حساب اُن کا
لگائے ہیں حرم کو جس قدر چرکے کلیسا نے

مسلماں ہو کے اپنے نفس کو جس نے نہ پہچانا
توقع اس سے کیا ہوگی کہ اپنے رب کو پہچانے

بظاہر خاک کا پُتلا بباطن نور کا پیکر
مسلماں کے مراتب کیا ہیں کافر کی بلا جانے

یہ پیشینی موحّد ہم میں مدغم ہوں تو کیونکر ہوں
اس اک غم میں گُھلے جاتے ہیں کاشی کے صنم خانے

نہتّے خاکساروں کے لہو سے کھیلنا ہولی
برہمن کی حکومت کو سکھایا ہے اہنسا نے

جب اُن سے میں نے پوچھا لکھنؤ کیوں آپ جاتے ہیں
تو بولے مسکرا کر ہم چلے ہیں گولیاں کھانے

جنہیں جل کر بھی باقی ذوق ہی کچھ اور جلنے کا
وہ ہیں شمعِ شبستانِ پیمبرؐ کے یہ پروانے

لاہور - ۱۲ - اکتوبر ۱۹۳۹ء

سرائے میر

آئی بہارِ دورِ خزاں کا گزر گیا
برسا ہے ابرِ رحمتِ حق جھوم جھوم کر

آ کر چمن میں زمزمۂ عندلیب سن
ویرانہ کو حوالۂ غوغائے بوم کر

لہرا سرائے میر میں "اصلاح"[۵۱] کا علم
اور ساتھ ساتھ خدمتِ بیت العلوم[۵۲] کر

کیوں بوسہ دے فلک نہ ترے آستانہ کو
آیا ہے تو رسولؐ کی چوکھٹ کو چوم کر

سر سے کفن لپیٹ کے میداں کی راہ لے
پھر ایک بار فیصلۂ شام و روم کر

گر نام اچھالنا ہے براہیمؑ کا تجھے
یک لخت ترک آذریوں کے رسوم کر

گر کاتنا ہے چرخہ تو دستِ فضل سے کات
لیکن نفاقِ ہند کی روئی کو توم کر

کہہ دے یہ اُن سے بھول گئے کیوں حرم کو آپ
آئیں ابوالکلام جو وردھا سے گھوم کر

سرائے میر۔ ۲۹۔ فروری سنہ ۱۹۳۹ء

---

۵۱ مدرسۃ الاصلاح کی طرف اشارہ ہے جسے علامہ شبلی نعمانی اور علامہ حمید الدین فراہی رحمہما اللہ کی متفقہ مساعی نے سرائے میر میں قائم کیا اور جو نہایت شاندار تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے

۵۲ مدرسۃ بیت العلوم سرائے میر جس کے کارپردازوں کی دعوت سرائے میر ضلع اعظم گڑھ لے گئی۔

رہرو اور راہ نما

ہم کو دیتے تھے یہ دعوت کار فرمایانِ لیگ
گر مسلماں ہو تو ہو وابستۂ دامانِ لیگ

تاکہ آزادی کا پرچم ہند میں لہرائے تو
ابرِ رحمت بن کے سارے ہند پہ چھا جائے تو

مرکزیت میں ہے مضمر زندگی اقوام کی
اور یہی تعلیم پہلے دن سے ہے اسلام کی

ایک جھنڈے کے تلے جس روز ملت آئے گی
ساری دنیا اس کے آگے خود بخود جھک جائے گی

دل کے کانوں سے یہ نکتے پیر و برنا نے سنے
لیگ کے گلشن میں آکر پھول حکمت کے چنے

آج فرزندانِ اسلام ایک مرکز پر ہیں جمع
ایک اشارہ پر جو کٹ جائے وہ سر کر لیے ہیں جمع

پھر یہ کیا ہے کوئی خاطر میں انہیں لاتا نہیں
اور حریفوں کا سر آگے ان کے جھک جاتا نہیں

قوم زنجیروں میں ہے جکڑی ہوئی پہلے کی طرح
گردنِ اغیار ہے اکڑی ہوئی پہلے کی طرح

رہبرانِ گرم رو جائیں تو اب جائیں کہاں
اپنی جمعیت کے جوہر جا کے دکھلائیں کہاں

قوم کی تنظیم سے کیا کام لیں گے رہ نما
کیا فقط تنظیم ہی کا نام لیں گے رہ نما

لاهور۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء

عقدۂ ہندوستان کی کشائش کا راز

حکومت مرکزی ہو اور نظام اُس کا ہو جمہوری
مدار اُس کا ہو ووٹوں پر تو قوام اُس کا ہو دستوری

نشاں بردار ہوں گاندھی و نہرو و پٹیل اُس کے
مسلماں ووٹ جن کے ہیں بہت کم ہوں ذیل اُس کے

حفاظت اُس حکومت کی کرے انگریز کا لشکر
اور اس لشکر کے بوتے پر ہو اونچا ہندوؤں کا سر

یہ وہ حکمت ہے مضمر جس میں وردھا کی سیاست ہے
ٹپکتی جس کے ہر نکتہ سے گاندھی کی فراست ہے

مگر ہندوستاں کا عقدہ یوں حل ہو نہیں سکتا
مسلمانوں کا ہاتھ اس داؤں سے شل ہو نہیں سکتا

کوئی جا کر یہ کہہ دے کانگریس کے رہنماؤں سے
کہ مشکل ہے الجھنا ربِّ اکبر کی قضاؤں سے

اگر آزاد ہونا ہے خدا کا آسرا ڈھونڈو!
ہمارے بازوئے تیغ آزما کا آسرا ڈھونڈو

دھلی ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

چیمبرلین کا جنگی ترانہ

دلاتے ہیں یہ اطمینان چیمبرلین پولوں کو
چھڑا سکتے ہیں ہم اب بھی عقابوں سے ممولوں کو

مقدر ہو چکی ہے فتح انگریزی عساکر کی
پڑا پھوڑا کرے ہٹلر جلے دل کے پھپھولوں کو

نبٹ کر نازیوں سے روس کو بھی ہم سمجھ لیں گے
کبھی اس سے بھی پھٹنا ہی ہمارے بم کے گولوں کو

بباطن ہیچ ہیں کھل جائے گا پول ایک دن اُن کا
بجا لے جرمنی اپنے بلند آہنگ ڈھولوں کو

مسولینی کا سر اٹلی میں مونڈا جائے گا جس دن
برستا دیکھ لو گے اُس پر انگلستاں کے اولوں کو

ہمارے ساتھ ہیں تُرک اور بے ڈھب ہے خدا اُن کا
منوں کا وزن جس نے بارہا بخشا ہے تولوں کو

۱۶-اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

اقبالؒ

سٹی مسلم لیگ سیالکوٹ کے جلسہ میں بر بیل ارتجال

اقبالؒ جس کا نام ہے وردِ زبانِ خلق
نازاں ہے اُس کی ذات پہ خاکِ سیالکوٹ

اُس کا کلام زندۂ جاوید ہو گیا
ہر زمزمہ نے اُس کے لگائی جگر پہ چوٹ

اسلامیوں کی ملک میں ہے دیارِ ہند
مانا کہ اس دیار میں کم ہیں ہمارے ووٹ

سیالکوٹ - ۱۸ - اپریل ۱۹۴۰ء

تین سوگندیں

ازل کے روز سے بارِ امانت کا ہوں میں حامل
خدا کا فضل بے پایاں ہے میرے حال کو شامل

مسلماں ہوں مرا مقصود ہے آزادیٔ کامل
قسم ہے سرورِ کونین کی جانِ گرامی کی!

کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

ثریا سے بھی اونچا دینِ قیّم کا عَلَم ہوگا
سرِ اعدائے ملّت عرضۂ تیغِ دو دم ہوگا

موحّد ہوں مرا سر غیر کے آگے نہ خم ہوگا
قسم ہے اشہبِ توحید کی محشر خرامی کی

کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

نہیں ہے اک فقط معمورۂ ہندوستاں میرا
بنایا ہے وطن اللہ نے سارا جہاں میرا

ہے اونچا ساری قوموں کے نشانوں سے نشاں میرا
قسم ہے سطوتِ کبرائے کی یلغارِ دوامی کی

کہ اک جھٹکے میں توڑوں گا میں زنجیریں غلامی کی

لاہور۔ ۲۱۔ جون ۱۹۴۰ء

کمال یار جنگ کمیٹی

کمال یار جنگ کمیٹی جس کے صدر مولوی عزیز الحق سپیکر بنگال اسمبلی تھے پنجاب کا دورہ کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضرورتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو کرم آباد پہنچی۔ اس کے وفد کی تقریب پر ذیل کی نظم سپرد قلم کی گئی۔

ہر ایک دل میں ان دنوں تڑپ ہے اس اُمنگ کی
کہ رقصِ زندگی میں ہو جھنڈی فرنگ کی

نہ ذوقِ مذہبی رہا نہ جوشِ یثربی رہا
اُڑیں فضا میں دھجیاں ہمارے نام و ننگ کی

عروسِ علم پر فدا ہزار جاں سے ہو وطن
گر اس کے رُخ میں ہو جھلک عمل کے آب و رنگ کی

حیاتِ نو کا درس دو مگر سلف کے رنگ میں
وہ چاہتا ہے تربیت مجاہدانہ ڈھنگ کی

وہ انقلابِ خوں چکاں رکے گا نکلیوں سے کیا
جلو میں جس کے دھاک ہو سناں کی اور تفنگ کی

خفا نہ ہو جو برہمن تو سُن لے گوشِ ہوش سے
کہ خاصیت الگ الگ ہے زمزم اور گنگ کی

یہ سارے وہ نکات ہیں جنہیں جتانے کے لئے
کمیٹی آئی ہے یہاں کمال یار جنگ کی

کرم آباد۔ ۲۲ ؍ اکتوبر ۱۹۴۰ء

ملّتِ بیضا سے دو دو باتیں

اے اشرف الامم کہ تری کشتِ سبز پر
برسا ہے ابرِ رحمتِ حق جھوم جھوم کر

ہندوستاں میں کر علَمِ اسلاف کا بلند
آئے جو تُو حوالیٔ بطحا سے گھوم کر

ہر ذرّہ سے جو مایہ ہے تیرے خمیر کا
مہر و مہ و نجوم کا پیدا ہجوم کر

دُنیا کے ڈھنگ سیکھ مگر اس کے ساتھ ساتھ
آدابِ شرعِ مصطفویؐ کا لزوم کر

آئی ہیں جس سے عاجز اہنسا کی تکلیاں
وہ سُوت کات روئی طریقت کی تُوم کر

تو بلبلِ ریاضِ رسولِ کریمؐ ہے
سامانِ پر شکستگیٔ بُومِ شوم کر

بطحائیوں کو عیشِ مخلّد کی دے نوید
پاپائیوں کو عرضۂ تیغِ ہموم کر

روما کے کارواں کو ڈبو رودِ نیل میں
اس سے اگر بچے تو سپردِ سموم کر

برلن کی دستبرد کو ذوقِ یقیں سے روک
اس ذوق کے خصوص کو وقفِ عموم کر

سر سے کفن لپیٹ کے دشتِ وغا میں آ
اور پل کے پل میں فیصلۂ شام و رُوم کر

سر پر کلاہِ سروریٔ شرق و غرب رکھ
پاپائیت [illegible] کو چُوم کر

۲۶۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء

ہندوستان کا پیغام روس کے نام

ماسکو سے ہو رہا ہے رشتہ برلن کا قریب
طوق ہٹلر کا ہے اور گردن ہے مولوٹاف کی

دب گئی چیمبرلین کی چیخ چُوں بموں کی گونج میں
جس سے بنیادیں لرز اُٹھی ہیں کوہِ قاف کی

اس میں جانتا ہوں کہ ہوں راما سوامی مدلیا
کوئی بھی سُنتا نہیں ہے ہند کے نداف کی

کون ہوگا ایشیا میں اس سے بڑھ کر بے وقوف
جس کو ہے تہذیبِ یورپ سے اُمید انصاف کی

راہِ حق میں سر کٹانا آگیا جس قوم کو
سُرخرو ہو کر رہِ انصاف اُسی نے صاف کی

استخوانِ ترک کی سختی پہ دُنیا ہے گواہ
روس سے کہہ دو کہ مانگے خیر اپنی ناف کی

دہلی - ۱۶ - نومبر ۱۹۴۰ء

چرخہ اور تلوار

جینا کی صدا اور ہے گاندھی کی کتھا اور
بطحا کی فضا اور ہے وردھا کی ہوا اور

بیٹا ہے وہ تلوار کا چرخہ کی یہ اولاد
ہے لطفِ جہاد اور اہنسا کا مزا اور

اُس کا ہی یہ نقشہ کہ ہیں دل اور زباں ایک
اِس کی یہ علامت کہ کہا اور کیا اور

زیبا ہے اُسے ملّتِ بیضا کی قیادت
اسلام اُسے کیا مرتبہ دے اس کے سوا اور

وہ بادہ جو آیا ہے خمستانِ عرب سے
ساقی مجھے اُس بادہ کا اک جام پلا اور

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملّت ہی وطن سے
حالانکہ ہے فرمودۂ شاہِ دوسرا اور

ملّت کا تقاضا ہے کہ اے قائدِ اعظم
اسلامیوں کی شان میں کچھ چاند لگا اور

مغرب کے حریفوں کو جو زک دینی ہے منظور
مشرق کی سیاست کا کوئی دام بچھا اور

باتوں سے نہ مانیں گے کہ لاتوں کے یہ ہیں بھوت
ان سے جو نبٹنا ہے تو حربہ کوئی لا اور

گاندھی کے جھکانے کی جو ہی تجھ کو تمنّا
اللہ کی دہلیز پہ گردن کو جھکا اور

وہ ہند میں گونجا تو یہ آفاق میں گرجا
ٹیگور کا راگ اور ہے اور نغمہ مرا اور

دھلی
۳-دسمبر ۱۹۴۰ء

آزادی کی اوّلیں شرط

اگر جناح کا دل آ جائے گاندھی جی کی مٹھی میں
تو غیروں کی غلامی سے وطن آزاد ہو جائے

پڑے جھولا مروّت کا بڑھیں اخلاص کی پینگیں
یکا یک تازہ ایّامِ سلف کی یاد ہو جائے

رواداری کا مل کے ہر اک مندر میں چرچے ہوں
ہر اک مسجد جو اب ویران ہے آباد ہو جائے

جو دامن ہو اقلیّت تو چولی اکثریت ہو
توانا مطمئن ہو ناتواں دل شاد ہو جائے

اُدھر ہو شیخ کا کس بل اِدھر شکتی برہمن کی
یہ دُہرا زور مرگِ دیوِ استبداد ہو جائے

عَلَم لہرائے جمہوری سیادت کا ہمالہ پر
ملوکیّت کے گھر کی منہدم بنیاد ہو جائے

کریں جو فیصلہ ہندو مسلمانوں کی مرضی سے
وزیرِ ہند کا مجبوراً اُس پر صاد ہو جائے

سیاست میں ہم انگریزوں کے شاگردِ خصوصی ہیں
عجب کیا آج کا شاگرد کل اُستاد ہو جائے

عمل کا وقت ہے احباب جو کرنا ہے اب کر لیں
مبادا یہ قبالہ زائد المیعاد ہو جائے

لاہور۔ ۵۔ دسمبر ۱۹۴۶ء

فتحِ مبین

اگر بدلا ہوا رنگ آسماں کا اور زمیں کا ہے
تصرف اس تغیّر میں مرے ذوقِ یقیں کا ہے

موحّد ہوں مجھے نسبت ہے ابراہیم آذر سے
سبق جس نے پڑھایا لا احبّ الآفلیں کا ہے

وہ سجدہ ربِّ اکبر کو پسند آئی ادا جس کی
ازل کی صبح سے پروردہ میری ہی جبیں کا ہے

نئی تہذیب اس نکتہ کو سمجھی ہے نہ سمجھے گی
کہ دنیا کو ہے جس کی احتیاج اقرار دیں کا ہے

ضمانت کون دے سکتا ہے اس کی پائداری کی
مکاں ہیں جب کہیں کی اینٹ ہے روڑا کہیں کا ہے

کبھی دیکھا بھی ہے نقشہ مسلماں کی حویلی کا
زمیں جس کا ہے آنگن اور چھت عرشِ بریں کا ہے

عدو کی چیرہ دستی سے ہراساں ہو نہیں سکتے
مسلمانوں کے سر پر سایہ ربّ العالمیں کا ہے

ہر اک فرعونِ بے ساماں کی گردن کو جھکا دے گی
وہ ملّت قرعہ جس کے نام پر فتحِ مبیں کا ہے

مرے اشعارِ جاں پرور ہیں اک گلشن معانی کا
جو بُو ان میں ہے حالی کی تو رنگ ان میں حزیں کا ہے

لاہور۔ ۶۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

وفادار باپ اور سرپھرا بیٹا

بیٹے کا مسلک ہے جدا بابا کا مشرب ہے الگ
گاندھی کا خوف اُس کے لئے اس کے لئے چرچل کا ڈر

آزادیٔ کامل کا گھر قیدِ فرنگ اُس کے لئے
اُس کی جنت ہے مگر اس کی نگاہوں میں یہ گھر

گرما کے پوچھا باپ نے یہ تو بتا اے ناخلف
کیوں جا بسا زنداں میں تو راحت کا ساماں چھوڑ کر

گاندھی کو لنلتھگو پر ترجیح کیوں دیتا ہے تو
پتھر وہاں روٹی یہاں دوزخ اُدھر جنت اِدھر

غالب کے لفظوں میں کہا بیٹے نے ہنس کر باپ سے
با من میاویز اے پدر فرزندِ آذر را نگر

ہر کس کہ شد صاحب نظر دینِ بزرگاں خوش نہ کرد

لاہور - ۹ دسمبر ۱۹۴۰ء

ہٹلر کی چال اور اُس کا ایک ہی توڑ

چھڑی جب سے مغرب میں ہے جنگِ حق و باطل
درخشاں مجھ کو آتا ہے نظر مشرق کا مستقبل

عرب سُن لے کہ انگریزوں کی جاں ہے میری مٹھی میں
مسلمانوں کے یہ دشمن ہیں میرے داؤں سے غافل

نکل کر بچ نہیں سکتے یہ میری آبدوزوں سے
بھنور میں ناؤ اُن کی گھر گئی اور دُور ہے ساحل

شکستِ فاش بحر و بر میں دے کر ان کی فوجوں کو
میں بخشوں گا عرب کو دولتِ آزادی کامل

فلسطین و عراق و شام کے دن پھرنے والے ہیں
مری امداد حاضر ہے عرب ہوتا ہے کیوں بددل

یمن ہو یا عراق و مصر ہوں اچھی طرح سُن لیں
کہ آساں ہونے والی ہے بہت جلد اُن کی ہر مشکل

بڑا ہی غلغلہ ہٹلر کی اس منطق کا برلن میں
جسے لندن سمجھتا ہو گا محض اک سعی لاحاصل

بدل جائے سیاست کی فضا چٹکی بجاتے میں
یہی پائیں کہیں گر ریڈیو پر ونسٹن چرچل

لاھور۔ ۱۰۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

ہندوستان کی مشترکہ زبان

ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ ایک نکتہ رس ادیب ہیں۔ عربی بھی جانتے ہیں اور اردو میں اُنہیں
وہی دسترس ہے جو سر تیج بہادر سپرو کو ہے لیکن پنجاب کی شومیٔ قسمت سے ازبسکہ کٹر مہا
سبھائی واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے اُٹھتے بیٹھتے۔ سوتے جاگتے اردو کے حق میں جامع و
مانع گالیاں تصنیف کرنا اور ناگری ہندی کے میٹھے اور سلونے گُن گانا آپ کا مذہبی
فرض ہوگیا ہے۔ آج سے چودہ سال پہلے آپ کو اردو سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی اب
ہے۔ چنانچہ آپ کی فرمائش پر "سیر کہسار" کے عنوان سے میں نے چھ شعروں کی ایک نظم
لکھی تھی جسے آپ نے بے حد سراہا تھا۔ اس نظم میں آپ کی ضیافت طبع کے لئے
آج تین اشعار کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہوں :۔

گزاری چند ساعتیں فرصت کی کہساروں میں — دل افروز آبشاروں میں دلِ آرام مرغزاروں میں
ہم آغوشِ صبا تھی نکہتِ گُل کی سیہ مستی — جنھیں پرور تھے نغمے طائرانِ خوش نواؤں میں
کھنچی تھی سامنے زنجیر سر جیون پہاڑوں کی — فلک تھا بوسہ افشاں جن کی برفیلی قطاروں میں

نسیم آئی فضائے خلد سے اور بے حجاب آئی
کرن سورج کی چمکی ہو کے عریاں جوئباروں میں

منازل ارتقا کے ٹہنیوں پر کر رہے تھے طے
جناب ڈارون کے جدِ امجد دیو داروں میں

الہ العالمیں معبود ہے ہم بے نواؤں کا
جناب مالوی ہیں آپ کے پروردگاروں میں

میں سو جاں سے ہوں شیدا اُس نگارِ نامسلماں کا
مرا دل جس نے چھینا ہے اشاروں ہی اشاروں میں

وہ اُردو جس کی ڈھولکی کو دیا ہے شیخ نے کندھا
کبھی تھا برہمن کا بھی شمار اُس کے کہاروں میں

ملا سکتی ہے ہندو کو مسلماں سے یہی اُردو
مری یہ نظم جاں پرور ہے جس کے شاہکاروں میں

لاہور - ۱۱ - دسمبر ۱۹۴۰ء

جلالۃ الملک عبدالعزیز ابنِ سعود

حرم والوں کی جمعیت پریشاں ہو نہیں سکتی
کہ ہو اس دورمیں شیرانہ بند ابنِ سعود اُس کا

پسند آیا ہی ربِّ کعبہ کو پانچوں نمازوں میں
قیام اُس کا قعود اُس کا رکوع اُس کا سجود اُس کا

روایاتِ سلف میں جان ڈالی اُس کے ایماں نے
دلیلِ آخریں ہے صبیادِل کی وجود اُس کا

دم ہی جس میں نہ رہ صد سالہ دولت کے بینوں میں
مقدر ہو چکا ہے روزِ اول سے خلود اُس کا

عرب کو ایک مرکز پر سیادت لائے گی اُس کی
عَلَم لہرائے گا اُس کی فضا پہ دیر و زود اُس کا

نشاں بردار حق ہو کر وہ ٹکرایا ہی باطل سے
لرز جاتے ہیں سن کر طنطنہ گبر و یہود اُس کا

شریعت کی نگہبانی ہوئی ہو جس کو ارزانی
نہ کیوں پھر ساتھ دے ہر حال میں ربِّ ودود اُس کا

لاہور - ۱۲ - دسمبر ۱۹۴۰ء

پتہ کی باتیں

ماحول کی فضا نہیں لاحول سے بلند
مومن کی شان ہے کہ ہو ماحول سے بلند

پھرنا نہیں ہے قول سے مردِ خدا کبھی
انساں کا مرتبہ ہے اسی قول سے بلند

تکبیر کی گرج میں دبی آدم کی پکار
ہے شورِ توپ نالۂ پستول سے بلند

انگریز نے اطالویوں کو بھگا دیا
یہ نعرہ ہے دہانِ ابوالہول سے بلند

روما کے منہ کو لال کیا جس نے مصر میں
لندن کا مرتبہ ہے اسی ڈھول سے بلند

لاہور۔ ۱۳۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

"ویر بھارت"

سنا ئیں کی بھاجی بنی الونی ترستا تھا نک کو "ویر بھارت"

سیاست سے نہ تھا اُس کو سر بکا تملّق کی وہ کرتا تھا تجارت

سکھائی جس نے اُس کو راج نیتی وہ تھا میرا ہی اندازِ ادارت

مری ہی گرمیٔ خوں کی ہے اولاد ہر اک اُس کے مقالہ کی حرارت

مری ہی شوخیوں کی گودیوں میں ہوئی پل کر جواں اُس کی شرارت

جو اچھے ہو نے اس اخبار کے بھاگ نہ ملتی تنازؔ کو اس کی ادارت

بسا نفرت کا بس ہے جس کے من میں بھری ہے جس کی آنکھوں میں حقارت

گدھے کو طوقِ زرّیں مل رہا ہے مری محنت گئی افسوس اکارت

صلہ کیا دوں میں اُس کی گالیوں کا

انوکھی ہے یہ کلجگ کی مہابھارت

"زمیندار"

لاہور۔ ۱۷۔ دسمبر [illegible]

فوجی بھرتی

پنجاب اسمبلی میں ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ کی تقریر

ڈاکٹر نارنگ کی تقریر کا سُنئے مفاد
سب پکوڑے بیچنے والوں نے دی ہے جس کی داد

انتظام اس مُلک کا ہو جائے گر میرے سپرد
ہوں روایاتِ کہن کے سارے دفتر گاؤ خورد

کون ہو ورن آشرم کے قید خانے کا اسیر
مجھ سے ہٹتی جا نہیں سکتی منوجی کی لکیر

کیوں نہ ہی تیغ آزما بھرتی ہوں ہندی فوج میں
تیرتے تھے باپ دادا جن کے خوں کی موج میں

جب کہ مضمر ان کی فطرت میں بھی ہے فوجی شعور
جنگ کے میدان سے کیوں بنیوں کو رکھا جائے دور

رانگھڑوں ہی کی طرح انساں ہیں بھنگی اور چمار
کیوں نہ وہ بھی لام پر جائیں قطار اندر قطار

میرے فوجی مشوروں پر گر کیا جائے عمل
مشکلیں چٹکی بجاتے میں ہوں انگریزوں کی حل

دس برس میں شیر گیدڑ کو بنا سکتا ہوں میں
یہ کرشمہ سر سکندر کو دکھا سکتا ہوں میں

لاہور۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۰ء

ہندوستان پر مسلمانوں کے احسانات

مسلمان جب آئے ہندوستاں میں — تو آئے پیغمبرؐ کا احسان بن کر
جلو میں تھی دونوں جہانوں کی رحمت — وہ آئے خداوند کی شان بن کر
وہ اخلاقِ اسلاف کا تھے نمونہ — وہ آئے بلالؓ اور سلمانؓ بن کر
کوئی جا کے دے ہندوؤں کو سندیسہ — خداوندِ عالم کا فرمان بن کر

فرشتے تمہیں سجدہ کرنے لگیں گے
دکھا دو مگر پہلے انسان بن کر

لاہور ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۰ء

گھنٹی اور گھنٹہ

ویر بھارت کے ایڈیٹر لالہ نانک چند ناز نے ایک خرافی نظم لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا

عرب میں جا کے بھرے پیٹ اس کی ریت ہی سے
سندیسہ بھیجا ہے اک اونٹ کی ٹلی نے اسے

گھنٹہ کو پنجابی میں "ٹلّی" کہتے ہیں۔ ناز کی ضرورت شعری نے ٹلّی کی تشدید کو اڑا کر اسے ٹلی کر دیا

اس کا جواب اشعار ذیل میں ملاحظہ فرمایئے :-

گھنٹی کو جو ٹلّی کہے کیوں ہو نہ زٹلّی
ہے دہلی و لاہور میں اس بات پہ ٹنٹا

ٹلّی کو بھی جب ناز ٹلی نظم میں باندھے
پھر کیوں نہ بجائے وہ مہادیو کا گھنٹا

لاھور۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

۱۹۴۰ء کا کرسمس

صلح سے بیزار ہے اور جنگ کا دلدادہ ہے
اپنے خوں کا آپ پیاسا ہر فرنگی زادہ ہے

کیا منائیں گے نصاریٰ جشنِ میلادِ مسیحؑ
بچّہ بچّہ جب کہ یورپ کا فساد آمادہ ہے

دل کے ہر گوشہ میں رکھتے ہیں مسیحیت سے بیر
منہ سے کہتے ہیں مسیحا امن کا شہزادہ ہے

گنبدِ گردونِ گرداں سے یہ آتی ہے صدا
کل وہی استادہ ہوگا آج جو افتادہ ہے

ہم مسلماں ہیں کسی سے دشمنی رکھتے نہیں
صُلحِ کُل مسلک ہے اپنا اور روش آزادہ ہے

گر غمِ عالم فراواں ہے تو کیا غم ہو ہمیں
جن کے ساغر میں خمستانِ عرب کا بادہ ہے

کب بھٹک سکتے ہیں سیدھی راہ سے اہلِ حرم
جب کہ اُن کے واسطے توحید میلِ جادہ ہے

ہاتھ میں تلوار ہو اور دل میں ہو خوفِ خدا
یثربی تہذیب کتنی دل نشیں اور سادہ ہے

لاہور۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

۱۹۴۰ء کا سرکس

چلتا نہیں انگریزوں پہ فسطائیوں کا بس
ایک ایک کفن چوپ کے سرکوب ہیں دس دس

کم بخت مسولینی کو کیا اس کی خبر تھی
دنگل میں اترتے ہی نکل جائے گا بُھرکس

تفہیم بدل سکتی نہیں بدگہروں کو
تعلیم سے کس ہو نہیں سکتے کبھی ناکس

غارتگری اس کی تھی مثال آپ ہی اپنی
دیکھی نہ گئی تھی کبھی اس وضع کی کُٹس

روکا اسے چرچل نے تو چُپ سادھ لی اُس نے
ٹوکا اُسے عصمت نے تو ٹس سے نہ ہوا مس

بے گور و کفن چھوڑ کے بھاگا جسے رن سے
اُس لاش پہ منڈلاتے ہیں یونان کے کرگس

رکنے سے نہیں رُکتی ہے یلغارِ نجاشی
اس پیل دماں کے لئے ملتا نہیں آنکس

پیغامِ فنا اُس کے لئے بامِ فلک سے
لے آئی ہے مظلوم کی فریادِ فلک رس

خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں نازی
اب کون ہے باقی جو بندھائے اُسے ڈھارس

لے ہاتھ میں بندوق کہ یہی اس کی ہے اوقات
کیا خاک لڑے گا عربوں سے یہ معرس

روما کے وحشیوں کی ٹکر کو دکھا کر
جاتا ہے مسولینی اپنا لیے سرکس

لاہور
۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء

داراپور

بہ تقریب رسمِ دستار بندی راجہ افضال مہدی خاں فرزند راجہ طالب مہدی خاں مرحوم

ہوئی شیرازہ بندی جب شرافت کے قبالوں کی ۔۔۔ تو جزوِ اولیں تھی نسل داراپور والوں کی

وہ اُس اقبال پرور سرزمیں کے بسنے والے ہیں ۔۔۔ نہیں جس میں کمی کشور کشاؤں کی مثالوں کی

سکندر چل کے آیا تھا کنارِ آبِ جہلم تک ۔۔۔ کہ اس کو جستجو تھی آبِ حیواں کے پکھالوں کی

خدا کے فضل سے آج اُس کے گھر کی زیب و زینت ہیں ۔۔۔ کبھی رونق تھی جن سے مسندوں کی اور دوشالوں کی

نہ دیکھا ہو اگر ان پر نزولِ رحمتِ باری ۔۔۔ تو کیفیت کبھی دیکھو برستے مینہ کے جھالوں کی

ہیں اُن کی تیغِ جوہردار کے آفاق میں چرچے ۔۔۔ ہے قائم ان سے ہیبت پلٹنوں کی اور رسالوں کی

فضیلت کی سند بخشی گئی افضال مہدی کو ۔۔۔ مرتب جب ہوئی فہرست ان کے نونہالوں کی

وہ دستار آج باندھی جائے گی افضال کے سر پر ۔۔۔ لگا دی ہے ہما نے جس میں کلغی اپنے بالوں کی

یہ فیضِ صحبتِ علامۂ شبلی کا صدقہ ہے
کہ دنیائے ادب میں دھوم ہے میرے مقالوں کی

جہلم ۱۹۴۰ء

نئے سال کی نئی پھلجھڑیاں!

پاکستان

جا کے وزیرِ ہند سے پوچھو گئے ہے پہلے یا انسان
بوجھ سکیں گر وہ یہ پہیلی بھارت ہند کی مشکل ہو آسان
کہہ دو یہ جا کر برہمنوں سے کچھ تمہیں اس کی بھی ہے خبر
ہند میں اونچ اور نیچ کی لعنت چند ہی دن کی ہے مہمان
گاندھی وسادر کر ہوں کہ ایمری ہم سے اُلجھ کر لیں گے کیا
عزم ہمارا ٹل نہیں سکتا بن کے رہے گا پاکستان
جس میں نہ ہو گا آدمیوں سے جانوروں کا سا برتاؤ
جس کی فضا میں دیکھے گی دنیا پرچم اسلامی کی اُٹھان
ترکی و ایراں شام و فلسطیں مصر و حجاز و نجد و عراق
سب ہیں جو اک تسبیح کے دانے ہے یہ پیمبرؐ کا احسان

غلغلۂ آزادی کا مل ڈال کے مشرق و مغرب میں
طوقِ غلامی توڑ کے رکھ دے ہے یہ مسلماں کی پہچان

جمہوری ووٹ

تین سو ساٹھ ووٹ اُدھر اور فقط ایک ووٹ اِدھر
عرصۂ انتخاب میں بُت نے خدا کو دی شکست
ووٹ ہی پر ہو جب مدارِ بست و کشادِ دہر کا
تُو ہی بتا دے اے خدا جائیں کدھر خدا پرست
مستِ مئے الست کو بخش وہ زورِ حیدری
زیر ہوں جس کی ضرب سے آذرِ بانِ چیرہ دست

نئے سال کا دنگل

ہندو سبھا لٹھیت ہے اور کانگرس پچیت
دونوں کی سُشتیاں ہیں مسلماں کی تاک میں
ڈر ہے اگر انہیں تو ہے جینا کے داؤں کا
ایسا نہ ہو کہ اُن کو ملا دے وہ خاک میں

لاہور۔ یکم جنوری ۱۹۴۱ء

سالِ نو کا پیام

دُنیا کی محفلوں سے گر اُکتا گیا ہے جی — بسنے کے واسطے کوئی صحرا پسند کر

جلوے سمیٹ معرفتِ کردگار کے — آوازۂ دنیٰ فتدلّٰی بلند کر

صحرا کے ذرہ ذرہ سے پیدا کر آفتاب — شبنم کے قطرہ قطرہ میں قلزم کو بند کر

سب تیری حاجتوں کا جب اسلام ہی کفیل — اوہام کو حوالۂ پاژند و ژند کر

توحید کا وقار رہے جس سے برقرار — اپنے لئے پسند ہر ایسا گزند کر

تجھ کو خرید لیں نہ کہیں دے کے دو جہاں — کم ہے یہ نرخ اس کو کم از کم دوچند کر

ہندوستاں میں صبر ہے قائم مقامِ جبر — اس نسخہ سے علاجِ دلِ دردمند کر

وردھا کے اے خدا نہ گھٹا درجہ شیر کا

بیشک بلند مرتبۂ گوسفند کر

لاہور۔ ۳ ؍ جنوری ۱۹۴۲ء

خدائے عطا کیش و بندۂ خطا کوش

پیغامِ اتحاد دیئے جا رہا ہوں میں
کوشش مصالحت کی کئے جا رہا ہوں میں

ہے تار تار پیرہنِ عزّتِ وطن
یہ جامۂ دریدہ سئے جا رہا ہوں میں

خم خانۂ الست کی جس میں ہیں مستیاں
وہ بادۂ دوشینہ پئے جا رہا ہوں میں

پھیلا کے انجمن میں چراغِ حرم کا نور
گُل کرنے باقی سارے دئے جا رہا ہوں میں

بدتر ہے موت سے بھی غلامی کی زندگی
پھر کیوں غلام ہو کے جئے جا رہا ہوں میں

ہے نقدِ مغفرت کفِ پروردگار میں
جنسِ گنہ بغل میں لئے جا رہا ہوں میں

دھلی ۲۰۔ فروری ۱۹۴۱ء

سر عبدالرحیم

صدر مجلس وضع آئین و قوانین ہند

۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء کو جب میں نے مجلس مرکزیہ وضع آئین و قوانین میں فنانس بل پر

تقریر کی تو بر سبیل تفنن ان اشعار سے بھی ایوان کی تواضع کی گئی۔

صدر ہیں قانون کے ایواں کے سر عبدالرحیم
جس کے ہر گوشہ پہ رکھتے ہیں نظر عبدالرحیم

حق شناس و حق شعار و حق نواز و حق پرست
ڈھل چکے ہیں سینکڑوں باطل کے گھر عبدالرحیم

کانگریس ہو لیگ ہو ہندو ہوں یا انگریز ہوں
دیکھتے ایک آنکھ سے ہیں سب کو سر عبدالرحیم

بات اگر سچی ہو اور کہنا ہو اس کا ناگزیر
سب میں کہہ دیتے ہیں بے خوف و خطر عبدالرحیم

مجلس وضع قوانین میں ہو بھٹیاروں کا رنگ
میر مجلس ہوں نہ قسمت سے اگر عبدالرحیم

چیختے ہیں جب ہلا کر اپنی داڑھی سنت سنگھ
ان کو بتلاتے ہیں فرق خیر و شر عبدالرحیم

ضابطہ کو توڑتا ہو گر حکومت کا غرور
اٹھ کے ہو جاتے ہیں خود اس کے بھی سر عبدالرحیم

ملیا[1] ہو، ریسمین[2] کیرو[3] و ظفر اللہ خاں[4] — چوکڑی بھولیں نہ ہوں گر راہ بر عبدالرحیم

میکسول[5] ہوں ٹاٹسن[6] ہوں یا کلو[7] ہوتے ہیں چپ — کہتے ہیں للکار کر جب "آرڈر" عبدالرحیم

نعرہ لاغیری کا اودگلوی[8] لگاتے ہیں، مگر — کر نہیں سکتے قبول اس کا اثر عبدالرحیم

اک طرف کالوں کی ہٹ ہے اک طرف گوروں کی ضد — لائے ہیں دونوں کو سیدھی راہ پر عبدالرحیم

لے کر اُن سے کھا دیا پاٹھ مغربی انصاف کے — پیلتے جن کو رہے ہیں عمر بھر عبدالرحیم

انتظار آنا دی کامل کا اُس کرسی کو ہے
جلوہ گر ہیں جس پہ با صد کر و فر عبدالرحیم

[1] سر راما سوامی ملیار وزیر تجارت

[2] سر جیریمی ریسمین وزیر فنانس

[3] کیرو وزیر امور خارجہ

[4] سر محمد ظفر اللہ خاں وزیر قانون

[5] سر ریجنیلڈ میکسول وزیر امور داخلہ

[6] ٹاٹسن وزیر تعلیمات

[7] سر اینڈریو کلو وزیر مواصلات

[8] مسٹر سی۔ ایم۔ جی اودگلوی معتمد افواج ہند

دہلی ۱۴۔ مارچ ۱۹۴۱ء

قانونِ مکافات

جب مسجدِ لاہور کو سکھوں نے گرایا
انگریز کے قانون کی گینتی کی مدد سے

پنجاب کے گھر گھر میں مچا شورِ قیامت
سُن کر جسے مُردے بھی نکل آئے لحد سے

اللہ کی غیرت کو یکایک ہوئی جنبش
اس ظلم کو دیکھا جو گزرتے ہوئے حد سے

گرجاؤں پہ گردوں سے بموں کی ہوئی بارش
اور حصہ ملا ان کو بھی تہذیب کی مد سے

بطحا سے ندا آئی کہ بچنا نہیں ممکن
اللہ کے قانونِ مکافات کی زد سے

دہلی ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۱ء